مئی ۱۹۹۹ء

اہنامہ

یثاق

لاہور

سئول

ٹر اسرار احمد

قرآن حکیم کا پیغام

مدنی سورتوں کے مضامین کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

احباب مطلع رہیں!

ان شاء اللہ العزیز ــــــ نئے تعلیمی سال سے

مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام' ماڈل ٹاؤن لاہور میں

قرآن کالج گرلز ونگ

کا اجرا کیا جا رہا ہے۔ جہاں :

☆ طالبات کو چھٹی کلاس سے ایف اے تک تعلیم کی سہولت مہیا کی جائے گی

☆ سکول و کالج کے مروجہ نصاب کے علاوہ دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی ہو گا

فرسٹ ایئر میں داخلے اسی سال سے جبکہ چھٹی کلاس میں آئندہ سال اوپن کیے جائیں گے

المعلن : ناظم کالج' 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

حسب معمول ــــ ان شاء اللہ العزیز ــــ امسال بھی

میٹرک کے امتحانات سے فارغ طلبہ کے لئے

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

191۔ اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور میں

15 مئی تا 15 جون 99ء

یک ماہی دینی معلوماتی تربیتی کورس

کا اہتمام کیا جائے گا ــــ مزید تفصیلات کے لئے رجوع کیجئے :

ناظم قرآن کالج 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 3-5869501

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد : ۴۸
شمارہ : ۵
محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
مئی ۱۹۹۹ء
فی شمارہ -/۱۰
سالانہ زرتعاون -/۱۰۰

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔فون : 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔اے، گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ____ ۳
حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ____ ۷
قرآن حکیم کا پیغام ۔ مدنی سورتوں کے مضامین کی روشنی میں
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ ستر و حجاب ____ ۳۱
احکامِ ستر و حجاب و شرعی پردہ
انجینئر شاہد حفیظ چوہدری

☆ فکر عجم (۱۶) ____ ۳۹
علامہ اقبال اور شعر فارسی ۔ ایران کے حال و مستقبل کے آئینے میں
ڈاکٹر ابو معاذ

☆ گوشہ خواتین ____ ۶۱
اسلام میں عورت کا مقام
مسز صغریٰ خاکوانی

☆ بحث و نظر ____ ۷۱
"مَآ اُھِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ" کا مفہوم
مولانا احتشام الحق تھانویؒ

☆ ظروف و احوال ____ ۷۷
ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہار رائے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

متحدہ اسلامی انقلابی محاذ۔ پیش رفت

قارئین واحباب اس امر سے آگاہ ہیں کہ متحدہ اسلامی محاذ ـــــ جس کا نام بعد میں بدل کر متحدہ اسلامی انقلابی محاذ رکھ دیا گیا تھا ـــــ کی تجویز امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی جانب سے ماہِ رمضان کے اواخر میں سامنے آئی تھی۔ اس تجویز کو ایک اخباری اشتہار کی صورت میں بڑے پیمانے پر ملک میں عام کیا گیا جس کا حاصل یہ تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ دینی جماعتیں اپنے اپنے طریق ہائے کار پر نظر ثانی کریں اور کشاکش اقتدار سے بالکل علیحدہ رہ کر قرآنی تعلیمات کے مطابق دعوت الی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے کمربستہ ہو جائیں اور محمدیؐ منہاج کو اختیار کرتے ہوئے پریشر گروپ کی صورت میں متحد ہو کر نفاذ اسلام کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں۔ عید الفطر کے فوراً بعد اس تجویز کو آگے بڑھانے کی خاطر امیر تنظیم نے دینی جماعتوں کے سربراہان اور رجال دین سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ پاکستان کی قریباً سبھی دینی جماعتوں کے اکابرین سے ملاقات کر کے امیر تنظیم نے متحدہ اسلامی محاذ کی تجویز پر تبادلہ خیال کیا۔ چنانچہ زعمائے ملت میں جماعت اسلامی پاکستان کے امیر قاضی حسین احمد' تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان' تحریک منہاج القرآن کے سربراہ علامہ طاہر القادری' جے یو پی کے رہنما مولانا شاہ احمد نورانی' تحریک اسلامی کے امیر مولانا مختار گل' جے یو آئی کے رہنما مولانا محمد خان شیرانی اور مولانا اجمل خان کے علاوہ اہلحدیث مکتب فکر کے بعض رہنماؤں سے بھی امیر محترم کی اس ضمن میں براہ راست ملاقات ہوئی اور مجوزہ محاذ کے قیام کے امکانات پر تبادلہ خیال کا موقع ملا۔

بعد ازاں متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کی اس تجویز کو وسیع تر حلقے میں پھیلانے' عوام و خواص میں 'منہاج محمدیؐ' کا شعور اجاگر کرنے اور مختلف دینی جماعتوں کو فکری اعتبار سے قریب تر لانے کی غرض سے ''منہاج محمدی کانفرنسوں'' کے انعقاد کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا۔ پاکستان کے پانچ بڑے شہروں میں ان کانفرنسوں کا انعقاد طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوا۔ راولپنڈی' پشاور' فیصل آباد' کراچی اور لاہور' پانچوں مقامات پر یہ کانفرنس بہت سے اعتبارات سے نہایت کامیاب رہیں۔ ان کانفرنسوں کی اجمالی رپورٹیں ''ندائے خلافت'' میں شائع کی جاتی رہی ہیں۔

اس تجویز کی کلی یا جزوی تائید کا اظہار قریباً تمام اکابرین کی جانب سے ہوا لیکن اتحاد کے قیام کی جانب سے عملی پیش رفت کے ضمن میں واضح تائید و تعاون کا معاملہ تاحال تین جماعتوں کی

جانب سے سامنے آیا ہے۔ یعنی تحریک اسلامی، تنظیم الاخوان اور جمعیت اہلحدیث لکھوی گروپ ــــ ان میں سے اول الذکر یعنی تحریک اسلامی کا مجوزہ محاذ کے قیام کے لئے تنظیم اسلامی کے ساتھ ایک ۱۷ نکاتی لائحہ عمل پر اتفاق رائے ہو گیا ہے جسے اس محاذ کی بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ تحریک الاخوان نے بھی بحمد اللہ ان نکات سے مجموعی اتفاق رائے کا اظہار کرتے ہوئے محاذ میں شمولیت کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انکی مرکزی قیادت نے بعض نکات میں جزوی تبدیلی کا مشورہ دیا ہے جس پر گفتگو کے بعد ان شاء اللہ بہت جلد اس محاذ کے باضابطہ قیام کا اعلان کر دیا جائے گا۔

تحریک اسلامی اور تنظیم اسلامی کی چوٹی کی قیادتوں نے جس ۱۷ نکاتی دستاویز پر اظہار اتفاق کیا ہے اس کا متن درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اقامت دین کی جدوجہد کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ دینی عناصر تعاونوا علی البر والتقوی کی بنیاد پر ایک دوسرے کے مددگار بنیں۔ ملک میں اس سمت میں پیش رفت کی خاطر ایک ایسا نظام ممد ثابت ہو سکتا ہے، جس میں مختلف دینی تنظیمیں شریک ہوں۔ اس نظام کا نام "**متحدہ اسلامی محاذ**" تجویز کیا گیا ہے۔ مذکورہ محاذ کی تشکیل کے لئے حسب ذیل بنیادی نکات تجویز کئے گئے ہیں :

۱) اقتدار کی کشاکش سے کنارہ کش رہتے ہوئے کسی شخص یا جماعت کو "ہٹاؤ" نہیں بلکہ "اسلام لاؤ" کی تحریک چلائی جائے۔

۲) اس مقصد کے لئے خالص قرآنی لائحہ عمل یعنی "دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" (آل عمران: ۱۰۴) سے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا جائے۔

۳) معتدبہ قوت حاصل ہونے پر بموجب فرمان نبوی "نہی عن المنکر بالید" کے ضمن میں مناسب اقدامات کا فیصلہ کیا جائے، تاکہ سلطنت خداداد پاکستان میں دین حق کا نظام عدل اجتماعی قائم اور شریعت اسلامی کا عادلانہ قانون نافذ ہو جائے یا اللہ ہمیں شہادت کی موت عطا فرما دے۔

۴) اس محاذ میں سیکولر نظریات یا مزاج کی حامل کوئی سیاسی جماعت شامل نہیں ہو سکے گی۔

۵) خالص دینی و مذہبی جماعتیں خواہ کسی بھی مسلک کی حامل ہوں، اس میں شامل ہو سکیں گی۔

۶) محاذ اصلاً جماعتوں پر مشتمل ہو گا۔ البتہ اہم افراد معاونین کی حیثیت سے شامل ہو سکیں گے، جو مشورے تو دے سکیں گے لیکن فیصلوں میں شریک نہیں ہوں گے۔

۷) اس میں صرف وہ دینی جماعتیں شامل ہو سکیں گی، جن کی تنظیم پورے ملک میں معروف ہو۔

۸) محاذ میں کسی نئی جماعت کی شمولیت پہلے سے شامل جماعتوں کے اتفاق رائے سے ہو گی۔

۹) جماعتوں کو مجلس عاملہ میں مساوی نمائندگی دی جائے گی اور اس کے فیصلے صرف اتفاق رائے سے ہوں گے۔ گویا ہر جماعت کو ویٹو کا حق حاصل ہو گا۔ تاہم کوشش کی جائے گی کہ اس کی نوبت نہ آنے پائے۔

۱۰) معمول کے اخراجات کے لئے ہر جماعت دو ہزار روپے ماہانہ زر تعاون پیش کرے گی، جس کا اکاؤنٹ صدر، ناظم بیت المال اور معتمد کی مشترکہ تحویل میں ہو گا۔ ان میں سے کسی دو حضرات کے دستخطوں سے رقوم نکالی جا سکیں گی۔

۱۱) محاذ میں شامل کوئی تنظیم کسی دوسری رکن تنظیم پر تنقید کے لئے ذرائع ابلاغ یا پبلک پلیٹ فارم کو ذریعہ نہیں بنائے گی۔

۱۲) محاذ کی تنظیمیں اپنے اپنے طریق کار کے مطابق کام کرنے میں آزاد ہوں گی، لیکن محاذ کے طے شدہ امور میں ایک دوسرے سے تعاون کریں گی، جس کا طریق کار خود محاذ طے کرے گا۔

۱۳) محاذ کے کسی فیصلے سے پہلے کوئی شریک تنظیم محاذ کے حوالے سے کوئی بیان نہیں دے گی۔

۱۴) محاذ کی مقرر کردہ کمیٹی محاذ کا تحریری دستور اور منصوبہ بنائے گی، جس کی منظوری محاذ دے گا اور جس کے مطابق محاذ کے نام سے مشترک کوششیں کی جائیں گی۔

۱۵) ہر اہم موقع پر کوئی بھی شریک تنظیم محاذ کی مجلس عاملہ کا اجلاس بلانے کی فرمائش کر سکے گی، جس کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ دو ہفتے کے اندر مجلس عاملہ کا اجلاس بلانا محاذ کے معتمد کی ذمہ داری ہو گی۔

۱۶) محاذ کے ذمہ داران کا انتخاب سالانہ ہوا کرے گا۔

۱۷) یہ کوشش مسلسل کی جائے گی کہ محاذ کی کارکردگی فکری ہم آہنگی کی آئینہ دار ہو اور وہ ہر طرح کی اندرونی کشمکش سے محفوظ رہے۔

الحمد للہ تنظیم اسلامی اور تحریک اسلامی میں ان نکات پر کامل اتفاق پایا جاتا ہے لیکن مطلوبہ محاذ کو وجود میں لانے کے لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ یہ تجویز دوسری دینی تنظیموں کو بھی بھیجی جائے اور ان کے اظہار تعاون کی بنیاد پر ایک سربراہی اجلاس بلا کر گفتگو کی جائے تاکہ مذکورہ محاذ کی تشکیل کی جا سکے"۔

علماء کمیٹی سے امیر تنظیم اسلامی کا استعفاء

میثاق کے گزشتہ شمارے کے انہی صفحات میں قارئین کو یہ اطلاع دی گئی تھی کہ فرقہ واریت میں شدت پسندی اور بڑھتی ہوئی دہشت گردی کے خاتمے کی خاطر مناسب قوانین کا مسودہ تیار کرنے کی غرض سے حکومت نے جو علماء کمیٹی تشکیل دی تھی اس کی سربراہی کا بوجھ امیر تنظیم اسلامی کے کاندھوں پر ڈالا تھا۔ اس کمیٹی کے قیام کے پس منظر اور اس میں سربراہی کا منصب قبول کرنے کی وجوہات کا تفصیلی ذکر گزشتہ "میثاق" میں کیا جاچکا ہے ـــــ تاہم یہ بیل ابھی پورے طور پر منڈھے چڑھنے نہ پائی تھی کہ کمیٹی کے بعض ارکان کے نامناسب بیانات اور قومی پریس میں ۱۸ سال قبل کے ماہ محرم میں بیٹے کی شادی کے واقعے کے غیر ضروری طور پر اچھل جانے سے فضا کے عمومی مکدر ہو جانے کے باعث اصلاح احوال کی غرض سے امیر تنظیم اسلامی نے اس کمیٹی کی چیئرمین شپ اور رکنیت سے مستعفی ہونے کو مناسب خیال فرمایا اور ۱۳/اپریل کو وزیر اعظم میاں نواز شریف صاحب کے نام ذاتی خط میں انہیں اپنے اس فیصلہ سے مطلع فرما دیا۔ اس خط کے بعض مندرجات قومی اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ ذیل میں اس خط کا مکمل متن ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی جناب وزیر اعظم پاکستان، اسلام آباد
السلام علیکم ورحمۃُ اللہ وبرکاتہٗ

آپ نے بعض انتہاپسند اہل سنت واہل تشیع کے باہمی تصادم سے پیدا شدہ تکلیف دہ صورتحال کی اصلاح کے لئے سفارشات پیش کرنے کے لئے جو کمیٹی تشکیل دی تھی، اس کے چیئرمین کی حیثیت سے مجھے نامزد کر کے مجھ پر جس اعتماد کا اظہار کیا تھا اس کے لئے تہہ دل سے ممنون ہوں۔

میرا ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ میں اس منصب کا اہل ہوں، تاہم میں نے اس ذمہ داری کو اس لئے قبول کر لیا تھا کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور شریعت اسلامی کے نفاذ کے ضمن میں شیعہ سنی مفاہمت کی جو کوشش میں گزشتہ چار پانچ سال سے کر رہا ہوں، شاید کہ اس کمیٹی کے ذریعہ اس مقصد کو بھی تقویت حاصل ہو۔ بہر حال حسب فیصلہ اس کمیٹی کا پہلا اجلاس ۷، ۸/اپریل کو لاہور میں منعقد ہوا۔ جس کی کارروائی مجموعی طور پر خوشگوار ماحول میں اس طرح بحسن و خوبی انجام کو پہنچی کہ دو قوانین کے مسودے تیار کر لئے گئے جن میں سے ایک پر تو تقریباً سب اراکین کمیٹی کا اتفاق تھا، لیکن دوسرے کے

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

قرآن حکیم کا پیغام

مدنی سورتوں کے مضامین کی روشنی میں

قرآن اکیڈمی لاہور میں رمضان المبارک کی ۲۵ ویں شب
امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا :

خلاصۂ مباحثِ قرآن کی ان نشستوں میں ہم قرآن مجید کے تقریباً اٹھائیس پاروں کا مُطالعہ کر چکے ہیں۔ ان میں سے آخری تہائی حصے کا ہم نے لفظ لفظ مُطالعہ کیا ہے' جبکہ اس سے پہلے ہم درمیان میں کچھ چھوڑتے بھی رہے ہیں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ ہم ذرا ایک "نگاہِ بازگشت" کے طور پر جائزہ لے لیں کہ ہمارے سامنے قرآن حکیم کے وہ کون سے مباحث آئے ہیں جو عملی اعتبار سے اہم ہیں۔

"ثُلثِ اوّل" کی مدنی سورتوں کے مباحث

اِس وقت میں قرآن مجید کی مکی سورتوں' جو کہ دو تہائی کے لگ بھگ ہیں' کے ضمن میں کچھ عرض نہیں کروں گا' ان پر ان شاء اللہ ایک الگ نشست میں گفتگو ہو گی۔ لیکن طویل مدنی سورتوں کا سلسلہ جو قرآن حکیم کے ثُلثِ اوّل یعنی پہلے دس پاروں میں آیا ہے (جن میں سورۃ البقرہ' آل عمران' النساء' المائدہ' الانفال اور التوبہ شامل ہیں) اس میں عملی اعتبار سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ایک تو عبادات یعنی نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ کا تقاضا کرتا ہے۔ پھر یہ کہ اس نے حلال اور حرام کے احکام دیے ہیں اور ان کی پابندی کا ہم سے تقاضا کیا ہے کہ حلال پر اکتفا کریں اور حرام سے اجتناب کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاد فی سبیل اللہ' قتال فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں دو رکوع سے زائد انفاق فی سبیل اللہ پر ہیں' سورۂ آل عمران کی ساٹھ آیات غزوۂ اُحد پر ہیں' پوری سورۃ الانفال غزوۂ بدر پر ہے' جبکہ سورۃ التوبہ غزوۂ تبوک کے بارے میں ہے۔

ان مباحث کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر تو ان تینوں یعنی جہاد' قتال اور انفاق فی سبیل اللہ کا حق ادا کیا جائے گا تو فوز و فلاح' رشد و نجات اور کامیابی ہے ﴿ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّةُ نَعِيمٍ ۝ ﴾ ۔ لیکن اگر ہم یہ نہیں کرتے' اس سے اعراض اور پہلو تہی کرتے ہیں اور بچنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ اصل میں مرضِ نفاق کا نقطۂ آغاز ہے۔ منافقین کو عبادات کی ادائیگی پر کوئی اعتراض نہیں تھا' حلال و حرام کے احکام پر بھی انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ان کو سارا اعتراض جہاد و قتال' ہجرت اور انفاق پر تھا۔ ان کی پسپائی وہاں سے ہوتی تھی۔ یہ نفاق وہ روگ ہے جس کے نفسیاتی مراحل ہم نے سورۃ الحدید میں بایں الفاظ دیکھے ہیں :

﴿ وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ ... ﴾ (آیت ۱۴)

"مگر تم نے اپنے آپ کو خود فتنے میں ڈالا' موقع پرستی کی' شک میں پڑے رہے اور جھوٹی توقعات تمہیں فریب دیتی رہیں' یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آگیا..."

پھر سورۃ المنافقون میں نفاق کے درجات بیان ہوئے کہ پہلے جھوٹ' پھر جھوٹی قسمیں' پھر عداوت کہ مؤمنین صالحین سے دل کے اندر ایک دشمنی پیدا ہو جائے۔ اور نفاق کا اخروی انجام اور اس کی آخری منزل ہم سورۃ النساء میں پڑھ چکے ہیں کہ :

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ ﴾ (آیت ۱۴۵)

"یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔"

سورۃ المنافقون میں ہم نے پڑھا :

﴿ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ﴾ (آیت ۶)

"(اے نبیؐ!) آپ چاہے ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں' ان کے لئے یکساں ہے' اللہ ہرگز انہیں معاف نہ کرے گا۔"

اور سورۃ التوبہ میں ہم پڑھ چکے ہیں :

﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ﴾ (آیت ۸۰)

"(اے نبیؐ!) آپ چاہے ان کے لئے معافی کی درخواست کریں یا نہ کریں۔ اگر آپ ستر مرتبہ بھی انہیں معاف کرنے کی درخواست کریں گے تو بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا"۔

یہ ہے خلاصہ ان مباحث کا کہ جہاد فی سبیل اللہ' قتال فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت پر آپ لبیک کہیں اور دامے' درمے' سخنے آگے بڑھیں' جان اور مال خرچ کریں تو آپ کے لئے کامیابی اور نجات ہے اور آپ نعمتوں بھری جنت کے مستحق ٹھہریں گے۔ لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر آپ جو راستہ اختیار کر رہے ہیں وہ نفاق کا راستہ ہے' اس مرض کے درجات اور مراحل سے آپ کو متنبہ کر دیا گیا ہے اور اس کے آخری انجام سے بھی خبردار کر دیا گیا ہے کہ ﴿فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ ہو گا۔

ان طویل مدنی سورتوں کے مضامین میں چار چیزیں بڑے اہتمام کے ساتھ آئی ہیں۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا کہ اللہ ﴿قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾ ہے' عدل و انصاف کو قائم کرنا اسے محبوب اور مطلوب ہے۔ وہ اگر چاہے تو اسے آنِ واحد میں خود قائم کر دے' لیکن اس نے اپنے اہل ایمان بندوں کی آزمائش کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے کھڑے ہوں' اپنی جانیں اور اپنا مال لگائیں' جدوجہد کریں اور دنیا میں عدل و قسط کے نظام کو قائم کریں۔ چنانچہ سورۃ النساء میں فرمایا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ . . . ﴾

(آیت ۱۲۵)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کی خاطر گواہی دینے والے بنو!"

جبکہ سورۃ المائدہ میں فرمایا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ. . . ﴾

(آیت ۸)

"اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو!"

سورۃ البقرہ اور آل عمران میں یہ بات دو مرتبہ بتائی گئی کہ اس نظامِ عدل و قسط کے قائم کرنے کی جدوجہد اور جہاد کرتے ہوئے اگر تم اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دو گے تو یہ

موت نہیں، یہ تو حیاتِ جاوداں ہے۔ چنانچہ فرمایا :

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة : ۱۵۴)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مُردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں، مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔"

اور فرمایا :

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران : ۱۶۹)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، بلکہ حقیقت میں وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔"

سورۃ التوبہ میں فرمایا کہ اگر تم واقعتاً مؤمن ہو تو تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اللہ تعالیٰ جنت کے عوض خرید چکا ہے :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ (آیت ۱۱۱)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور مارتے اور مرتے ہیں۔ ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔"

پھر سورۃ التوبہ ہی میں دوٹوک انداز میں فرمایا گیا :

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا

وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ○ ﴾

(التوبۃ : ۲۴)

"(اے نبیؐ ان سے) کہہ دیجئے : اگر تمہارے باپ ' تمہارے بیٹے ' تمہارے بھائی ' تمہاری بیویاں ' تمہارے رشتہ دار اور تمہارے وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور تمہارے وہ گھر جو تمہیں بہت پسند ہیں ' تم کو اللہ ' اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو جاؤ انتظار کرو ' یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے۔ اور اللہ ایسے فاسق لوگوں کی راہنمائی نہیں کیا کرتا"۔

سورۃ التوبہ ہی میں نبی اکرم ﷺ کے مقصد بعثت کا اعلان کرنے والی آیت بھی موجود ہے کہ جان لو کہ ہم نے اپنے رسولؐ کو کس مقصد کے لئے بھیجا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں فرمایا :

﴿ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ﴾

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں۔"

یہ کشاکش جاری ہے اور جاری رہے گی ' یہ یہودی اس پر تلے ہوئے ہیں اور ہمیشہ تلے رہیں گے کہ اللہ کے نور کو اپنی منہ کی پھونکوں سے بجھادیں۔ لیکن :

﴿ وَیَاْبَی اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ ○ ﴾ (آیت ۳۲)

"اللہ کو ہرگز منظور نہیں ہے مگر یہ کہ اپنے نور کا اتمام فرمائے ' اگرچہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو"۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

پھر فرمایا :

﴿ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ○ ﴾ (آیت ۳۳)

"وہی ہے (اللہ) جس نے اپنے رسولؐ کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دینِ حق

(اسلام) کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے' خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے!"

یہ دونوں آیتیں (پہلی آیت میں معمولی لفظی ترمیم کے ساتھ) سورۃ الصف میں بھی اسی طرح جڑی ہوئی آئی ہیں۔

اس جہاد و قتال کا مقصد ایک اور اعتبار سے سورۃ البقرہ اور سورۃ الانفال میں بایں الفاظ بیان فرمایا : ﴿ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ﴾ (البقرہ : ۱۹۳) "دین اللہ کے لئے ہو جائے" اور ﴿ یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ﴾ (الانفال : ۳۹) "دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے۔" یہ نہ ہو کہ زندگی کے ایک حصے میں تو اللہ کی اطاعت ہو رہی ہو' جبکہ کسی دوسرے حصے میں اس کی اطاعت نہ ہو بلکہ اس کی اطاعت سے آزاد ہو کر کسی اور کی اطاعت کی جا رہی ہو۔ یہ تو دین کا تفرقہ ہو گیا' دین کے ٹکڑے کر دیئے گئے' دین کے حصے بخرے کر دیئے گئے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ ط ﴾

(الانعام : ۱۶۰)

"جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے آپ کا کچھ واسطہ نہیں۔"

چنانچہ قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے۔ یہ گویا قتال فی سبیل اللہ کی آخری منزل ہے۔

قرآن حکیم کے ثلث اوّل یعنی پہلے دس پاروں کی مدنی سورتوں میں جہاں عبادات و احکام آئے ہیں اور جہاں ہمیں علم و حکمت اور معرفت کے بہت سے نایاب موتی ملے ہیں وہاں عملی پہلو سے یہ چیزیں سامنے آئی ہیں' جن کا ہم نے اجمالی جائزہ لے لیا۔

"ثلثِ آخر" کی مدنی سورتوں کے مباحث

اب ذرا ہم قرآن حکیم کے ثلث آخر کا جائزہ لیتے ہیں' جس کا اکثر حصہ ہم نے لفظ لفظ پڑھا ہے۔ اس حوالہ سے پانچ نکات ذہن میں پھر سے تازہ کر لیں۔

(۱) عبادتِ رب : سورۃ الذاریات میں ہم نے پڑھا کہ انسان کا مقصدِ تخلیق عبادتِ

رب ہے : ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ (آیت ۵۶) "میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔" ع

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی!

(۲) <u>اطاعت میں اخلاص</u> : یہ عبادت اور بندگی محض مراسمِ عبودیت بجالانے تک محدود نہ ہو۔ بلکہ سورۃ الزمر میں فرمایا کہ اللہ کی عبادت اس کے لئے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے ہونی چاہئے : ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴾ (آیت ۲) یہ نہ ہو کہ پرستش اس کی ہو رہی ہے نماز اس کی پڑھ رہے ہیں' لیکن اطاعت منقسم ہے کہ کچھ اُس کی' کچھ کسی اور کی۔

(۳) <u>دُعا میں اخلاص</u> : اسی عبادت کا ایک باطنی عنصر(esoteric element)دعا ہے۔ اس دُعا کے بارے میں فرمایا : ﴿ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ (المومن : ۶۵) "پس اللہ تعالیٰ کو پکارو اپنی اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔" مزید فرمایا : ﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ..... ﴾ (المومن : ۶۰) "تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو' میں تمہاری دعا سنوں گا....." بشرطیکہ وہ دعا اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے کی گئی ہو۔ ورنہ ﴿ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴾ کے مصداق اس کی دعا بھٹک کر رہ جائے گی۔

جب ایک شخص نے اپنی زندگی میں اطاعت کو اللہ کے لئے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت پر کاربند ہونے کا عزم کرلیا اور اس کی دعا بھی اللہ کے لئے خالص ہو گئی تو اب اس کے دو امکانات ہیں۔ اگر کوئی شخص خلافت راشدہ کے دور میں پیدا ہو گیا ہو جبکہ اسلام کا نظام پوری طرح قائم تھا' اللہ کا دین قائم تھا' اسلام کے سارے احکام نافذ تھے تو اب اس کے ذمے صرف انفرادی نوعیت کے فرائض رہ گئے' وہ انہیں ادا کرلے تو بیڑا پار ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ غلبۂ طاغوت میں زندگی گزار رہا ہو' دینِ حق غالب نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ یہی کر سکتا ہے کہ جہاں جہاں اس کے لئے ممکن ہو وہاں وہ اللہ کی اطاعت کرے۔ لیکن جہاں وہ نظام میں جکڑا ہوا ہے وہاں وہ اکیلا کیا کرے گا؟ اکیلا چنا بھاڑ تو پھوڑ

نہیں سکتا۔ خاص طور پر آج کی دنیا میں تو وہ نظام عالمگیر حیثیت اختیار کر گیا ہے' کہیں بھاگ کر جانے کو جگہ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ دین کے جتنے حصے پر انسان عمل کر سکتا ہے اس پر تو وہ لازماً عمل کرے' چاہے تکلیف آئے' اسے دقیانوسی کہا جائے' اس پر فقرے چست کئے جائیں' اس کا سماجی بائیکاٹ ہو اور لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔ مثلاً اپنے گھر میں شرعی پردہ پر اسے اختیار ہے' لہٰذا اسے گھر میں نافذ کرے چاہے شوشل بائیکاٹ ہو جائے۔ سود کے براہ راست لین دین کا کوئی معاملہ نہ کرے چاہے اسے اپنے کاروبار کی بساط لپیٹنی پڑے۔ بڑا کاروبار کرنا فرض نہیں ہے' حلال کھانا فرض ہے۔ دین کے جس حصے پر عمل ہو سکتا ہو اس کو لازماً کرے' اگر اس پر وہ عمل نہیں کرتا تو وہ خود چور ہے' دوسروں سے وہ کیا شکوہ و شکایت کرے گا؟ لہٰذا اس کا الزام وہ دوسروں کو نہیں دے سکتا۔ اب دین کے وہ گوشے جن پر عمل کرنا اس کے اختیار میں نہیں (مثلاً حدود و تعزیرات کا نفاذ) لہٰذا وہ ان پر عمل پیرا نہیں ہے تو اس کی اطاعت ﴿ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴾ تو نہیں ہے' اس کی اطاعت تو بڑی محدود اطاعت ہے جس کے ساتھ وہ اللہ کی بندگی کر رہا ہے۔ اس طرح وہ جس گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس باطل نظام کو ذہناً تسلیم نہ کرے' بلکہ اس میں ایک باغی کی حیثیت سے رہے۔ under protest رہے۔ ذہناً تسلیم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی وفاداری کا دم نہ بھرے اور اس میں خود اپنے آپ کو promote کرنے اور مفادات حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اس نظام کے تحت زندگی بسر کرتے ہوئے نہ تو جائیدادیں بنانے میں مشغول ہو اور نہ ہی اپنے کاروبار کو جمانے اور پھیلانے کی تگ و دو کرے۔ بلکہ اپنی صلاحیتوں کا ایک حصہ اپنی ذاتی ضروریات کے لئے رکھ کر باقی اپنی پوری صلاحیتیں' اوقات اور قوتیں اقامت دین کی جدوجہد کے لئے صرف کر دے تاکہ اس نظام کو تبدیل کر کے یہاں نظامِ حق قائم کیا جائے۔ نظامِ باطل کے اندر سانس لینے کا یہی کفارہ ہے' اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔

(۴) دعوت الی اللہ : نظام کی تبدیلی کے لئے جدوجہد کا پہلا مرحلہ "دعوت" کا ہو گا۔ جب تک کچھ ہم خیال ساتھی' کچھ اعوان و انصار مل کر ایک جمعیت فراہم نہ کریں اور کوئی طاقت فراہم نہ ہو تو نظام کیسے بدلے؟ لہٰذا اس کے لئے دعوت ضروری ہے۔ سورۂ حٰم السجدہ کی مرکزی آیت اسی حقیقت کو بیان کر رہی ہے :

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾

(حٰمٓ السجدة : ۳۳)

"اور اس شخص سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔"

اور اس دعوت کا آلہ و ذریعہ اور میڈیم قرآن ہو۔ سورۂ حٰم السجدہ کے چھ رکوعوں میں چھ انداز سے قرآن کا تذکرہ ہے۔ یہ گویا اس سلسلے کی چوتھی سورۃ ہے۔

⑤ فریضہ اقامتِ دین : سورۃ الشوریٰ میں اقامت دین کا مطالبہ ہے ﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ ﴾ یعنی جب وہ طاقت فراہم ہو جائے تو پھر باطل نظام سے ٹکر مول لو اور پھر اس ٹکر کے نتیجے میں اگر اللہ تعالیٰ تمہیں فتح عطا کر دے تو نظام اسلام کو قائم کر دو۔ چنانچہ سورۃ الشوریٰ میں ﴿ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ ﴾ کے حکم کے ساتھ ہی نبی اکرم ﷺ کو عدل کرنے کا حکم دیا گیا ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ "اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں"۔ یہ "سلسلہ حوامیم" کی سورتوں کے مباحث کا ایک اجمالی جائزہ ہو گیا۔

اس کے بعد سورۃ الحدید سے اب تک پڑھی جانے والی سورتوں کے خلاصے کو ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ سورۃ الحدید کی سب سے نمایاں آیت، جس کے بارے میں میں کہا کرتا ہوں کہ دنیا بھر کے انقلابی لٹریچر میں اس سے زیادہ کھلی اور عریاں انقلابی عبارت اور کوئی نہیں ہو سکتی، آیت نمبر ۲۵ ہے، جس میں واضح طور پر طاقت کے استعمال کی دعوت دی جا رہی ہے :

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾

"ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (شریعت) نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ یہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ اللہ واضح کر دے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بیّنات اور کتاب دے کر بھیجا اور اس کے ساتھ میزان (شریعت) بھی اتاری تاکہ اُسے نصب کیا جائے اور جس کسی سے کچھ لیا جائے یا کسی کو کچھ دیا جائے تو اس میزان میں تول کر۔ یہ (معاذاللہ) اللہ کی کوئی Exercise in Futility نہیں ہے' بلکہ اس سے عدل و قسط کا نظامِ قائم کرنا مقصود ہے۔ اب جو لوگ ضرورت سے زائد لے رہے ہیں' اپنے حق سے زیادہ لے رہے ہیں' دوسروں کا استحصال کر رہے ہیں' جن کے پاس معاشرے میں بہت سی سہولیات ہیں' جن کے پاس ملک کے مفادات ہیں وہ تو ظاہر بات ہے کہ اس کو برداشت نہیں کریں گے کہ وہ نظام عدل قائم ہو جائے۔ لہٰذا تصادم ہو گا اور اس تصادم کی آخری منزل لوہے کا استعمال ہے ـــــ جس کے لئے فرمایا ﴿ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ ﴾ کہ ہم نے (ایسے لوگوں کی سرکوبی کے لئے) لوہا اتارا۔"

اس سے پہلے دعوت دینا ہو گی' لوگوں کو بلانا ہو گا' ان کی تربیت کرنا ہو گی' ان کا تزکیہ کرنا ہو گا' انہیں منظم کرنا ہو گا اور تن من' دھن لگانے کے لئے تیار کرنا ہو گا' سمع و طاعت کا عادی بنانا ہو گا۔ انسان کا انسان کے حکم کو ماننا آسان نہیں ہوتا۔ ہاں جہاں مفاد ہو وہاں وہ مانتا ہے' دفتر میں اپنے افسر کی بات کو ماننا پڑتا ہے' جھڑکیاں کھانی پڑتی ہیں کیونکہ معلوم ہے کہ اس نے اگر فائل خراب کر دی تو ترقی رک جائے گی۔ یہ سب کچھ ہم اپنے مفادات کے تحت برداشت کرتے ہیں لیکن اللہ کے دین کے لئے یہ سب کچھ کرنا آسان نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ کوئی فوری منفعت نہیں۔ چنانچہ سمع و طاعت کا خوگر بننا ہو گا' اس کی عادت ڈالنی پڑے گی۔

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی!

اس کے بعد وہ جمعیت فراہم ہو گی جو اس نظامِ عدل و قسط کے لئے انفاقِ مال اور بذلِ نفس کے لئے تیار ہو گی۔ فرمایا : ﴿ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ ﴾ "اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ کون سے بندے ہیں جو اُس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں غیب میں ہونے کے باوجود"۔ اللہ چاہے تو آنِ واحد میں اپنا دین قائم کر دے' لیکن اس کا یہ طریقہ نہیں۔ وہ تو بندوں کی وفاداریوں کا امتحان لیتا ہے' اسی سے پتا چلتا ہے کہ کون کتنے

پانی میں ہے۔ کس کے اندر کتنا یقین ہے' کون واقعتاً کتنا آخرت کا طلب گار ہے' کون اس کے لئے بڑی سے بڑی قیمت دینے کو تیار ہے۔

حزب اللہ اور حزب الشیطان کا تصادم : سورۃ الحدید کے بعد ہم نے دیکھا کہ سورۃ المجادلہ کا مرکزی مضمون ہی حزب اللہ اور حزب الشیطان کا تصادم ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں حزب اللہ اور حزب الشیطان کا نقشہ کھینچنے کے بعد فرمایا گیا : ﴿ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ ﴾ کہ آخری کامیابی اور غلبہ بہرحال حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت ہی کو حاصل ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت : سورۃ الصف میں واضح کر دیا گیا کہ ہمارا یہ نبی عام نبی نہیں ہے' یہ صرف داعی بن کر نہیں آیا' بلکہ عدل قائم کرنے آیا ہے۔ یہ صرف مربیّ' مزکیّ اور معلّم بن کر نہیں آیا' یہ دین کو غالب کرنے کے لئے دنیا میں آیا ہے۔ دوسرے انبیاء کو جو تین چیزیں دے کر بھیجا گیا تھا (بینات' کتاب اور میزان' وہ اس کے بارے میں دو ہو گئی ہیں (الہدیٰ اور دین الحق) اس لئے کہ اس کا معجزہ بھی قرآن ہے اور اس کی کتاب بھی قرآن (الہدیٰ)۔ اور شریعت اب مکمل ہو کر دین حق کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ چونکہ اللہ نے اس دینِ حق کو غالب کر کے رہنا ہے' ان ساری سازشوں کے علی الرغم جو یہودی کریں گے' لہٰذا نبی اکرم ﷺ کے مقصد بعثت والی آیت سے فوراً پہلے یہ آیت آئی :

﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ اس ضمن میں میری کتاب "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی حال اور مستقبل" کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اب کیا معاملہ ہونے والا ہے اور آنے والی جنگ کا درحقیقت کیا نقشہ جم رہا ہے۔ سابقہ امت (یہود) اور موجودہ اُمّت (مسلمانوں) کا جو آخری تصادم ہونا ہے' جسے "Armegadon" سے تعبیر کیا جا رہا ہے اور جس کے لئے حدیث میں "المَلحمة العُظمٰی" کی اصطلاح آئی ہے اس کے لئے سٹیج تیار ہو رہا ہے۔ یہودی قوم دو ہزار برس تک منتشر رہی ہے' جو کہ اپنے گھر سے ۷۰ عیسوی میں نکال دی گئی تھی۔ دو ہزار برس کے بعد اسرائیل کا قیام عمل میں آیا۔ ہیکل سلمانی نمبر۲ جو تقریباً ساڑھے چار سو قبل مسیح میں حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں تعمیر کیا گیا اس کو ۷۰ عیسوی میں گرا دیا گیا' جو کہ ابھی تک گرا پڑا ہے۔ اب وہ بہت جلد اس کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور اس کی تعمیر کے لئے

مسجد اقصیٰ کو گرانا ضروری ہے۔ اُس وقت جو طوفان اٹھے گا اس کا آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہ سب کچھ ہونے والا ہے' لیکن ظاہر بات ہے کہ پھر بالآخر اللہ کا دین غالب ہو گا۔ اس سے پہلے مسلمانوں پر سختیاں آئیں گی۔ عالم عرب پر تو بالخصوص بہت برے دن آنے ہیں' اس میں کوئی شک نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے : ((وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ)) "عرب کے لئے تباہی ہے اس شر کے نتیجے میں جو قریب آ پہنچا ہے"۔ عرب کے بعد دوسرے نمبر پر جو سختی آنی ہے وہ ممکن ہے کہ مسلمانانِ پاکستان پر آئے۔ اس لئے کہ قیامِ پاکستان کو قمری اعتبار سے ۵۳ برس ہو چکے ہیں اور ہم ابھی تک گم کردہ راہ ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟

مقصدِ بعثت کی تکمیل میں اُمّت کا کردار : بہرحال نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت غلبۂ دین ہے۔ اس کے لئے اہل ایمان کو جان' مال اور وقت لگانا ہے۔ اسی صورت میں انہیں عذاب سے چھٹکارہ ملے گا۔ سورۃ الصف کی یہ آیات دوبارہ پڑھ لیجئے :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ ﴾ (الصف ۱۱' ۱۲)

"اے ایمان والو! میں بتاؤں تمہیں وہ تجارت جو تمہیں عذابِ الیم سے بچا دے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔"

اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ ایمان اور جہاد پر کاربند ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ تم پر پانچ انعامات فرمائے گا : (۱) تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (۲) تمہیں جنت کے باغات میں داخل کیا جائے گا۔ (۳) جنت میں ابدی قیام کے لئے تمہیں بہترین گھر دیئے جائیں گے۔ (۴) تمہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح نصیب ہو گی' لیکن آزمائشوں کے بعد۔ (۵) تمہارا اتنا اونچا روحانی مقام ہو گا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا مددگار قرار دے گا۔ لیکن اگر یہ نہیں کرتے ہو تو عذابِ الیم سے چھٹکارا پانا بھی ایک موہوم خیال اور وہم ہے۔ گویا کہ تم سابقہ امت کی صف میں جا کھڑے ہوئے۔ یہ تمہارے قول و عمل کا تضاد ہے جو اللہ کے غضب کو بھڑکانے والا ہے اور یہ کہ تم بھی جمادات و نباتات کی صف میں آکر

صرف زبانی کلامی اس کی تسبیح کرنے والے ہو' جبکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے اُن بندوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اُس طرح صفیں باندھ کر جنگ کرتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا اساسی منہاج : سورۃ الجمعہ میں اس مضمون کا دوسرا رخ سامنے آتا ہے کہ دین کے غلبے کے لئے نبی اکرم ﷺ کا بنیادی طریق کار اور اساسی منہاج کیا ہے؟ ﴿ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ﴾ لوگوں کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھنا' ان کو پاک کرنا اور ان کو کتاب و حکمت سکھانا۔ گویا یہ سارا انقلابی عمل قرآن کے گرد گھومتا ہے۔ اسی قرآن کے ذریعے سے مردانِ کار تلاش کرنا' اسی کو ذہنوں میں اتارنا' اسی کو دلوں میں بٹھانا' اسی کے ذریعے افراد کے دلوں میں تبدیلی پیدا کرنا' اسی کو ان کے اخلاق و کردار میں انقلاب لانا اور اسی سے معاشرے میں تبدیلی لانا۔ یہ ہے انقلاب محمدیؐ کا اساسی منہاج۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے میں نے یہی اساسی منہاج اختیار کیا۔ چنانچہ میں ۱۹۶۵ء میں منٹگمری (حال ساہیوال) سے اپنے اس مشن کا آغاز کرنے کے لئے لاہور منتقل ہوا' جسے اب مجھے ۳۴ واں برس ہے۔ ابتداء میں سات برس تک میں نے صرف درس قرآن دیا اور اس عرصے میں کوئی انجمن' ادارہ یا اکیڈمی نہیں بنائی۔ روزانہ شام کو کہیں نہ کہیں درس قرآن ہوتا تھا۔ میں نے اس درس قرآن کے "مقناطیس" کو شہر لاہور میں گھمایا پھرایا' اور جو بھی سعید ارواح اس کے ساتھ چپکتی گئیں انہیں پہلے انجمن خدام القرآن کی شکل میں منظم کیا' پھر تنظیم اسلامی کی داغ بیل ڈالی۔ یہ دعوت قرآن کی بنیاد پر دی گئی۔ میں نہ مصنف ہوں نہ معلم' نہ ہی معروف معنوں میں کوئی خطیب ہوں' میں تو بس مدرسِ قرآن ہوں۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے : ((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا)) یعنی "مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے"۔ میں نے ایک دفعہ اپنے بارے میں کہا تھا : "اِنَّمَا خُلِقْتُ مُدَرِّسًا" کہ مجھے تو اللہ نے مدرس بنا کر پیدا کیا ہے۔ چنانچہ میں نے قرآن مجید کا درس دیا۔ اس کے نتیجے میں وہ مردانِ کار جن کے اندر روح ابھی زندہ تھی' جن کے اندر response کی صلاحیت تھی میرے گرد جمع ہوئے۔ چنانچہ پہلے مرکزی انجمن خدام القرآن قائم ہوئی' پھر تنظیم اسلامی کا قیام ممکن ہوا۔ مرکزی انجمن کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی قائم ہوئی' قرآن کالج تعمیر ہوا' جہاں اللہ کے فضل و کرم سے

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورسز اور دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام ہر سال ہو رہے ہیں۔ قرآن کانفرنسوں‘ محاضرات قرآنی اور قرآنی تربیت گاہوں کے سلسلہ سے کون شخص واقف نہیں؟ مرکزی انجمن کے بطن سے بہت ساری منسلک اور ذیلی انجمنیں وجود میں آچکی ہیں جن کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمیز اور قرآن کالجز قائم ہو رہے ہیں۔ اس سب کا حساب کتاب اور ریکارڈ اللہ کے ہاں موجود ہے۔

سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ کے بعد ہم نے سورۃ المنافقون اور سورۃ التغابن بھی پڑھ لی ہیں۔

قرآن حکیم کا حاصلِ مُطالعہ

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کے ان مباحث کا حاصل کیا ہے؟۔ میں اپنے مُطالعۂ قرآن‘ فہم قرآن اور تدبر قرآن کا خلاصہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

اقامتِ دین کی جدّوجہد کی فرضیت : اگر دینِ حق مغلوب ہو اور باطل اور طاغوت غالب ہو تو مسلمان کا اولین فرضِ عین اس طاغوت کو ختم کر کے‘ اس کے غلبے کو توڑ کر اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کرنا ہے۔ یہ اصل اور پہلا فرضِ عین ہے‘ جو نماز پر بھی مقدم ہے۔ اس لئے کہ نماز کی صداقت کا معیار یہی ہے۔ اگر آپ یہ کر رہے ہیں تو آپ کی نماز صحیح ہے اور اگر یہ نہیں کر رہے تو آپ کی نماز جھوٹی ہے۔ آپ نے باطل کا غلبہ گوارا کر رکھا ہے اور نماز میں "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کہہ رہے ہیں تو آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ہاں! آپ نے باطل کو تسلیم نہیں کیا‘ باطل کے خلاف آپ کی جدوجہد جاری ہے اور آپ کہیں کہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" تو آپ سچ بول رہے ہیں۔ آپ نماز میں کہہ رہے ہیں "وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ" یعنی "ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں اور ہم ان سے قطع تعلق کرتے ہیں جو بھی تیرے فاسق اور فاجر ہوں" لیکن ہماری وہی دوستیاں اور وہی رشتہ داریاں برقرار ہوں تو ہم اللہ کی جناب میں جھوٹ بول رہے ہیں۔ چنانچہ پہلا فرضِ عین اللہ کے دین کی اقامت اور اس کے غلبے کی جدوجہد ہے۔ یہ ایسا فرض ہے جس کے ادا ہونے پر ہر فرض کی صحت کا دارومدار ہے۔ نماز بھی اس کی استعانت کے لئے ہے۔ حکم دیا گیا : ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ یعنی اس مقصد کے لئے نماز اور صبر سے استعانت حاصل کرو۔

ہاں! اگر ہم خلافتِ راشدہ کے دور میں پیدا ہو چکے ہوتے تو اس کے برعکس صورت ہوتی۔ اسلام کا نظام اگر قائم ہو تو اس نظام کی مزید توسیع اور اسے عالمگیر پیانے پر پھیلانا حکومت کی ذمہ داری ہے اور ہم حکومت کے نظم کے پابند ہیں۔ اس صورت میں یہ جدوجہد فرضِ کفایہ ہے۔ حکومت کو جتنے رضاکار مطلوب ہیں وہ اگر مہیا ہو جائیں تو باقی سب لوگ اپنے گھروں میں پاؤں پھیلا کر سوئیں' ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ فرضِ عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔ جیسے نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے' کچھ لوگوں نے نماز پڑھ لی تو باقی سب کی طرف سے بھی ادا ہو جائے گی' اگر کسی نے بھی نہیں پڑھی تو سب گنہگار ہوں گے۔ اس معنی میں اگر خلافت کا نظام قائم ہو' دین غالب ہو تو افراد کے اوپر سے غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کی ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حکومت اسلامی کا ادارہ موجود ہے' وہ ان معاملات کی دیکھ بھال کرے گا کہ اللہ کے دین کو عالمی سطح پر قائم کرنے کے لئے کیا اقدامات کرنے ہوں گے۔ اس کے لئے جو افرادی اور مالی قوت چاہیئے وہ لوگ پیش کر دیں تو بس ٹھیک ہے۔ لیکن جب صورت یہ نہیں ہے اور آپ باطل کے غلبے میں جی رہے ہیں تو اقامت دین کی جدوجہد آپ کا اولین فرضِ عین ہے' اسے اضافی نیکی نہ سمجھئے! یہ فرضِ عین ہے' اسے فرضِ کفایہ نہ سمجھئے!! "فرض عین" کے تصور میں دو چیزوں کی نفی ہے ــــــ یعنی یہ اضافی نیکی نہیں ہے اور فرضِ کفایہ نہیں ہے۔

<u>التزامِ جماعت</u> : فریضہ اقامتِ دین ادائیگی کے لئے "التزامِ جماعت" شرطِ لازم ہے۔ یعنی آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ کسی نہ کسی جماعت کے ساتھ شامل ہو کر یہ جدوجہد کریں۔ جیسے نماز فرضِ عین ہے جو وضو کے بغیر نہیں پڑھی جا سکتی تو نماز کی ادائیگی کے لئے وضو بھی فرض ہو گیا۔ اسی طرح اقامت دین کی جدوجہد جماعت کے بغیر نہیں ہو سکتی لہٰذا التزامِ جماعت بھی فرض ہے۔

جہاں تک پہلی بات یعنی غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کا فرضِ عین ہونا ہے اس کے لئے تو میں نے سورۃ البقرہ سے سورۃ التوبہ تک اور سورۃ الشوریٰ سے سورۃ الصف تک آپ کے سامنے ہر دلیل واضح کر دی ہے اور قرآن کے تقاضے آپ کے سامنے بیان کر دیئے ہیں۔ تاہم جہاں تک دوسری بات یعنی التزامِ جماعت کا تعلق ہے میں اس کے لئے

قرآن مجید سے نصِّ صریح تو پیش نہیں کر سکتا' لیکن اس کے لئے اشارات موجود ہیں۔ مثلاً سورۃ المائدہ اور سورۃ المجادلہ میں حزب اللہ (اللہ کی پارٹی) کا لفظ راہنمائی کے لئے آیا ہے۔ یقیناً قرآن کا ہر لفظ ایک راہنمائی بھی ہے۔ سورۃ الفتح میں ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ﴾ کے الفاظ میں ایک جماعتی زندگی کا نقشہ آ گیا۔ یا سورۃ الصف میں ہم نے پڑھا ﴿ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ﴾ "کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟" ظاہر ہے کہ داعی کی اس دعوت پر کچھ لوگ لبیک کہیں گے تو ایک جماعت کی شکل بن جائے گی۔ یہ اشارات ہیں' نص قطعی قرآن سے نہیں ہے' البتہ احادیث نبویؐ میں نصوصِ قطعیہ موجود ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ((عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ)) "تم پر جماعت کی شکل لازم ہے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک اثر ہے ((لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ)) "جماعت کے بغیر کوئی اسلام ہے ہی نہیں"۔

اس ضمن میں نوٹ کر لیجئے کہ جماعت کی دو ہی شکلیں ممکن ہیں۔ یا تو ہمارا جماعتی نظام ایک ریاست کی شکل اختیار کر چکا ہو۔ یعنی جو امیر المومنین ہے وہی ہمارا امیر ہے اور حکومت کا ریاستی ڈھانچہ ہی ہماری جماعت ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو کوئی نہ کوئی جماعت ضروری ہے جو اس نظامِ خلافت کو قائم کرنے کی جدوجہد کرے۔ اس کیلئے سب سے اہم حدیث حضرت حارث الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اِنِّیْ اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ [اللّٰهُ اَمَرَنِیْ بِهِنَّ] بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ' وَالْهِجْرَةِ' وَالْجِهَادِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))

(مسند احمد و جامع الترمذی)

"(اے مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے رہا ہوں' اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے۔ (۱) جماعت کی صورت میں رہنے کا' (۲) سننے کا اور (۳) ماننے کا' اور (۴) ہجرت اور (۵) جہاد فی سبیل اللہ کا۔"

مزید برآں عقل سلیم اور منطق (Logic) سب سے بڑی دلیل ہے کہ نظام کی تبدیلی کسی جماعتی جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں۔ کسی انقلابی نظریئے کو کوئی شخص بھی پھیلا سکتا ہے' کسی مصنف نے انقلاب پر کوئی کتاب لکھی ہے' آج نہیں تو کل اس کا چرچا ہو سکتا

ہے' کوئی علی گڑھ کی نوعیت کا سکول یا کالج بن گیا ہے تو اس سے کچھ خیالات پھیل جائیں گے' لیکن اس طرح نظام نہیں بدلا کرتا۔ اس کے لئے تو آپ کو ایک منظم انقلابی پارٹی درکار ہوگی۔ انقلاب کی راہ میں وہ سارے مراحل آئیں گے جو آیا کرتے ہیں۔ نظامِ باطل سے ٹکراؤ اور تصادم بھی ہوگا۔ ان مراحل سے کوئی ہجوم (mob) عہدہ برآ نہیں ہوسکتا' کوئی ڈھیلا ڈھالا جماعتی ڈھانچہ اس کے تقاضے پورے نہیں کرسکتا۔

یہ جو دو باتیں میں نے خلاصہ کے طور پر عرض کی ہیں میری ۶۷ سالہ زندگی کے غور و فکر اور تدبر کا نچوڑ ہیں۔ بحالاتِ موجودہ اقامت دین کی جدوجہد ہم میں سے ہر ایک پر اولین فرض ہے۔ اس کی ادائیگی پر دوسرے فرائض کی قبولیت اللہ کے ہاں منحصر ہے اور اس کے لئے ایک جماعت کا التزام شرط لازم ہے۔ جو حضرات اب بھی میری ان باتوں سے متفق نہیں ہیں ان سے تو میں اِس وقت بس یہی کہوں گا کہ ﴿ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴾ اس قرآن کا اتنا کچھ سننے کے بعد بھی اگر بات واضح نہیں ہوئی تو کس طرح واضح ہوگی؟ یا میں اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کروں گا ؎

یا رب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دل اور دے ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور!

البتہ جن حضرات کو میری ان دونوں باتوں سے اتفاق ہے' ان سے میں پہلی بات یہ عرض کروں گا کہ اب ان کا فرض ہے کہ وہ ایسی جماعت تلاش کریں جو فریضۂ اقامت دین کی ادائیگی میں ان کی مدد و معاون ہو۔ اگر آپ اقامت دین کی فرضیت کے قائل ہیں تو ایسی جماعت کی تلاش آپ کی ضرورت ہے۔ ایک عربی نظم کا بڑا خوبصورت مصرع ہے "فَتِش لقلبک عَن رفیق"! یعنی اپنے دل کے لئے کوئی رفیق تلاش کرو!۔ اسی طرح مَیں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ کوئی جماعت تلاش کیجئے۔

اقامتِ دین کے لئے قائم جماعت کے مطلوبہ اوصاف

اس جماعت کی تلاش میں میں جو مدد آپ کو دے سکتا ہوں وہ یہ کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت کے خصائص کیا ہونے چاہئیں۔

(۱) اس جماعت کا واضح مقصد اقامتِ دین کی جدوجہد ہونا چاہئے۔ اگر اس کے پیش نظر کوئی سماجی، تعلیمی، تصنیفی، تحقیقی یا تبلیغی مقصد ہے تو وہ جماعت اقامت دین کی جدوجہد

نہیں کر سکتی۔ چنانچہ مطلوبہ جماعت کا مقصد اقامت دین ہونا چاہیئے کہ موجودہ نظام کو بدلنا ہے اور اللہ کے دین کو ایک مکمل سیاسی' سماجی اور معاشرتی وحدت کی حیثیت سے قائم کرنا ہے۔ یعنی وہ نظامِ عدل و قسط جو اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دین حق کی شکل میں عطا کیا اس کو بتمام وکمال قائم کرنا' ورنہ نیکی کے کام تو بہت سے ہیں' جو آدمی پارٹ ٹائم کرتا رہتا ہے۔ وہ گویا ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر پاؤں ہلاتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں چل رہا ہوں۔

(۴) وہ جماعت منظم (disciplined) ہونی چاہیئے' یعنی سمع و طاعت والی ـــ البتہ اس ڈسپلن کی عملاً دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک صورت جو دوسری سے کم از کم تین درجے افضل ہے وہ بیعت شخصی ہے کہ ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنا کہ ہمیں آپ پر اعتماد ہے اور ہم آپ کے ساتھ ہیں' ہم آپ کو مشورے دیتے رہیں گے' لیکن فیصلے کا اختیار آپ کو ہوگا۔ ہم آپ کے فیصلوں پر سر تسلیم خم کریں گے اور آپ کا ہر حکم مانیں گے' بشرطیکہ آپ شریعت کے دائرے سے باہر نہ نکلیں۔ یہ ہے شخصی بیعت۔ یہ تین درجے افضل کیوں ہے؟ اس لئے کہ قرآن میں اسی کا ذکر ہے' جو ہم سورۃ الفتح میں پڑھ چکے ہیں۔ سورۃ الممتحنہ میں خواتین کے لئے بھی بیعت کا ذکر آیا ہے۔ پھر حدیث میں اس کا ذکر ہے' سیرت میں اس کا ذکر ہے۔ کم سے کم ۱۳سو برس تک تو اُمت کے اندر اجتماعیت کے لئے کوئی بنیاد سوائے بیعت کے موجود ہی نہیں رہی۔ یعنی یہ منصوص' ماثور اور مسنون طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیعت لی' خلفاء راشدین نے بیعت لی' خلافت راشدہ کے بعد بھی بیعت کا ہی نظام رہا۔ خلافت میں بگاڑ آیا اور اس کو درست کرنے کے لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ میدان میں آئے تو آپؓ نے بیعت لی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی اپنی بیعت پر قائم نہیں رہے' لیکن جو بھی کوششیں ہوئیں وہ بیعت ہی کی بنیاد پر ہوئیں۔ یہاں تک کہ تزکیۂ نفس کا نظام بنا تو وہ بھی بیعت کی بنیاد پر۔ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سکھوں کے خلاف جہاد کیا' جس کے بعد ان کا انگریزوں کے خلاف جہاد کا پروگرام تھا' تو انہوں نے بیعت کی بنیاد پر جماعت بنائی۔ پچھلی صدی میں نو آبادیاتی استعمار کے خلاف جتنے بھی جہاد ہوئے ہیں وہ بیعت ہی کی بنیاد پر ہوئے۔ مثلاً سوڈان میں مہدی سوڈانی نے اور لیبیا میں سنوسی نے اطالویوں کے خلاف بیعت کی بنیاد پر تحریک منظم کر کے جہاد کیا۔ امام

شامل" جنھوں نے روس کی فوجوں کو تیس برس تک پریشان کئے رکھا' ان کی جدوجہد بھی بیعت کی بنیاد پر تھی۔ چنانچہ بیعت کا طریقہ منصوص' ماثور اور مسنون طریقہ ہے۔

جماعتی نظم کی دوسری صورت دستوری تنظیم کی ہے۔ یعنی جماعت کا کوئی دستور ہے' جیسے جماعت اسلامی میں ہے' تو اس دستور کی اطاعت کرنی ہوتی ہے۔ اس جماعت میں جو شخص بھی شامل ہوتا ہے وہ دستور کی اطاعت کا حلف اٹھاتا ہے۔ میرے نزدیک یہ بھی جائز اور مباح ہے' حرام نہیں ہے۔

(۳) اس جماعت کے بارے میں یہ دیکھا جائے کہ اس کا طریقہ کار کیا ہے؟ اس کا "منہج انقلاب" کیا ہے؟ آیا یہ سیرتِ نبوی ﷺ سے ماخوذ اور مستنبط ہے یا نہیں؟ اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے انقلاب کا منہاج سیرت نبویؐ سے اخذ کیا ہے تو اس سے استفسار کیا جائے کہ آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ کے اُسوہ سے کیسے اخذ کیا ہے؟ آپ کا استدلال کیا ہے؟ اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ حالات کی تبدیلی اتنی بنیادی ہے کہ اس ضمن میں اجتہاد کی ضرورت ہے تو معین طور پر بتایئے کہ کہاں تبدیلی واقع ہوئی ہے اور آپ اس میں معین طور پر کیا اجتہادات کرنا چاہتے ہیں؟ یہ استفسار اس لئے ضروری ہے کہ جو نبی ہوتے تھے ان کے تو ہاتھ میں ہاتھ دے کر آدمی مطمئن ہوتا تھا کہ وہ جدھر موڑ دیں مڑ جاؤ۔ شمال کی طرف رُخ کر دیں تو شمال کی طرف رخ کر لو۔ جنوب کی طرف رخ کریں تو جنوب کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔ نبی تو الحق ہے' اپنی ذات میں سچ ہے' اس کے ساتھ منسلک ہو گئے تو جدھر وہ جا رہا ہے اس طرف چلو۔ نبی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کہاں جائیں گے' کس راستے سے جائیں گے' کس وادی میں سے گزریں گے۔ لیکن اب کوئی نبی تو نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص کام کرنا چاہتا ہے اسے اپنا طریقہ کار واضح کرنا ہو گا کہ یہ طریقہ کار اس نے کہاں سے اور کیسے نکالا ہے۔

(۴) اس تنظیم کی قیادت کے قریب ہو کر دیکھئے کہ یہ لوگ بہروپیے تو نہیں ہیں؟ ان کے کردار اور قول و عمل میں کوئی بہت بڑا فرق و تفاوت تو نہیں ہے؟ کوئی بڑی خلیج تو حائل نہیں ہے؟ جماعت کے کارکنوں میں تو ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں' بعض ابھی ناپختہ ہوتے ہیں' بعض مفاد پرست ہوتے ہیں' اس لئے جماعت سے وابستہ ہو گئے ہوتے ہیں' جیسے رسول اللہ ﷺ کی جماعت میں منافقین بھی موجود تھے' لیکن جماعت کی قیادت کا

مخلص ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا آپ جماعت کے امیر کو ضرور اچھی طرح دیکھ لیجئے جس کے ہاتھ میں آپ ہاتھ دے رہے ہیں اور اس کے قریبی ساتھیوں کو بھی۔

یہ چار خصوصیات ایسی ہیں جن کو ضرور سامنے رکھیے۔ اب جو شخص غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد کی فرضیت کا قائل ہو گیا ہے' وہ جان گیا ہے کہ یہ فرضِ عین ہے اور اس کے لئے التزامِ جماعت اسی طرح ضروری ہے جیسے نماز کے لئے وضو ضروری ہے' تو اب یہ اس کا کام ہے کہ وہ جماعت تلاش کرے اور جو جماعت اسے کم سے کم شرائط پر قابل قبول نظر آئے اس میں شریک ہو جائے۔ مزید دیکھتا رہے' ہو سکتا ہے کہ کوئی اس سے بہتر مل جائے۔ اگر بہتر سامنے آجائے تو پہلی کو چھوڑ کر اس میں شامل ہو جائے۔ یہ کوئی نبی کی جماعت نہیں ہے کہ جس سے نکلنا کفر میں جانے کے مترادف ہو۔ بلکہ ؏

"ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!"

کے مصداق ہمیں pragmatic اور عملی ہونا چاہیے۔ انسان اگر پوری سنجیدگی سے ایسی جماعت کی تلاش میں سرگرداں رہے اور اس کے لئے بھرپور کوشش اور جدوجہد میں مصروف رہے تو جب تک اسے مطلوب جماعت نہیں ملتی وہ ایک درجے میں جماعتی زندگی ہی گزار رہا ہے۔ گویا اس نے ابھی وضو تو نہیں کیا البتہ "تیمم" کر لیا ہے' جس کے معنی ارادہ کے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے: ﴿ فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا ﴾ یعنی اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا ارادہ کرو' قصد کرو۔ چنانچہ جو شخص بھی اقامت دین کی جدوجہد کے ارادے سے کسی جماعت کی تلاش میں کوشاں ہے' وہ شخص تیمم کے درجے میں کم سے کم تقاضا پورا کر رہا ہے۔

فریضۂ اقامتِ دین کی جدّوجہد اور تنظیم اسلامی

جہاں تک تنظیم اسلامی کا تعلق ہے' میں چاہتا ہوں کہ اس کا طریق کار مختصر الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ "تنظیم اسلامی کا تعارف اور اسلام کا انقلابی منشور" نامی کتابچے میں سے یہ عبارت ملاحظہ کیجئے:

"اسلامی انقلاب یعنی قیامِ نظامِ خلافت کے لئے

تنظیم اسلامی کے پیش نظر طریق کار

یہ ہے کہ.... جو لوگ اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح کے حصول کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہوں' وہ

☆ سب سے پہلے خود پوری طرح مسلمان اور حقیقی معنی میں اللہ تعالیٰ کے بندے بنیں اور اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار میں شریعت اسلامی نافذ کریں اور اس کے لئے اپنے نفس کے خلاف بھی جہاد کریں اور بگڑے ہوئے ماحول سے بھی مردانہ وار کشمکش کریں اور دوسروں کو بھی مقدور بھر اس کی دعوت دیں۔

☆ باہم دینی اخوت اور ایمانی رشتوں میں بندھ کر آپس میں نہایت رحیم و شفیق اور دین کے باغیوں اور مخالفوں کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔

☆ کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر ہجرت و جہاد اور سمع و طاعت فی المعروف کی بیعت کر کے ایک جماعتی نظام میں منسلک ہو جائیں جس کی رائے کی پختگی اور خلوص و اخلاص پر انہیں پورا اعتماد ہو۔

اور اس طرح جو اجتماعی قوت وجود میں آئے وہ :

☆ جب تک یہ قوت مناسب مقدار میں جمع نہ ہو جائے تن من دھن کے ساتھ اسی دعوت و تربیت اور تنظیم کی توسیع اور مضبوطی کی کوشش میں لگے رہیں اور سب سے زیادہ توجہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی اصلاح اور تزکیہ پر مرکوز رکھیں۔

☆ اس دوران میں تحریر و تقریر کے ذریعے بھلائی کی دعوت دیتے رہیں اور برے کاموں سے روکتے رہیں لیکن نہ ملکی انتخابات میں حصہ لیں اور نہ ہی کسی سیاسی ہنگامے میں فریق بنیں۔

☆ اس پورے عرصے میں کسی نکتہ چینی اور تمسخر سے بددل نہ ہوں' نہ کسی جبر و تشدد سے خوف کھائیں بلکہ کامل صبر و تحمل سے کام لیں اور ہرگز کوئی جوابی کارروائی نہ کریں۔

☆ اور جب مناسب قوت فراہم ہو جائے تو راست اقدام کے طور پر

☆ اسلام نے جن برائیوں کی نشاندہی کی ہے ان کا قلع قمع کرنے کے لئے کمر کس لیں۔

☆ اس کے لئے جلسوں' مظاہروں اور ناکہ بندیوں کی شکل میں اپنی طاقت کے مظاہرے

کے لئے تمام جدید ذرائع استعمال کریں۔ اس شرط کے ساتھ کہ یہ سب کچھ پُرامن ہو اور اس میں ان کی جانب سے کوئی تشدد نہ ہو۔

☆ اور اگر ان پر تشدد کیا جائے تو کمال صبر و استقلال کا مظاہرہ کریں حتیٰ کہ اس راہ میں جان دینے کو سب سے بڑی کامیابی سمجھیں۔

☆ اس پیہم کشمکش اور راہِ جہاد فی سبیل اللہ میں

یا حق کا بول بالا ہو جائے یا شہادت کی موت نصیب ہو جائے!"

مندرجہ بالا تحریر میں سے بعض نکات ذرا وضاحت طلب ہیں :

○ "اس دوران میں تحریر و تقریر کے ذریعے بھلائی کی دعوت دیتے رہیں اور برے کاموں سے روکتے رہیں لیکن نہ ملکی انتخابات میں حصہ لیں اور نہ ہی کسی سیاسی ہنگامے میں فریق بنیں" ـــــ اس لئے کہ آپ کسی سیاسی ہنگامے میں فریق بن گئے تو آپ جس کے خلاف ہیں اس کے کان آپ کی دعوت کے لئے بند ہو جائیں گے۔ مزید یہ کہ اقامت دین کا یہ کام الیکشن کے ذریعے ممکن بھی نہیں ہے۔ اب تو اس پر اتفاق رائے ہو گیا ہے کہ یہ کام الیکشن سے ہونے والا نہیں ہے ؎

ہر چہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از خرابی بسیار!

اب تو تمام دینی جماعتیں یہ تسلیم کر چکی ہیں کہ الیکشن میں حصہ لے کر یہاں اسلام نہیں آسکتا۔ یہی میرا وہ پوائنٹ تھا جس کی وجہ سے میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوا۔ میں نے جماعت کے ساتھ اپنی زندگی کے دس سال لگائے ہیں ؎

یہ اور بات کہ تم پر نثار کر دی ہے
عزیز اپنی جوانی کسے نہیں ہوتی!

یہ دس سال میں نے پوری طرح یکسو ہو کر لگائے ہیں اور اسے میں اپنی زندگی کا عہدِ زریں سمجھتا ہوں۔ اس عرصے میں مَیں نے جو صلاحیتیں حاصل کیں اور مجھے جو تجربے حاصل ہوئے وہ میرے لیے بہت قیمتی اثاثہ اور سرمایہ ہیں۔ للٰہذا مجھے ان دس سال میں سے ایک منٹ کا بھی کوئی افسوس نہیں ہے کہ وہ ضائع ہوا ہے (معاذ اللہ)۔ لیکن مولانا مودودی مرحوم سے اسی ایک نکتے پر اصولی اختلاف ہوا تھا۔ میرا موقف تھا کہ الیکشن میں حصہ لے

کہ جماعت ایک غلط موڑ مڑ گئی ہے' ایک غلط راستے پر پڑ گئی ہے' لہٰذا ہمیں یہ راستہ ترک کر دینا چاہیئے۔ مولانا مودودی اُس وقت تک بہت ہی پُر اُمید تھے کہ ہم اس ذریعے سے کامیاب ہو جائیں گے' مگر ۱۹۷۱ء میں وہ بھی مایوس ہو گئے۔ لیکن جب مولانا اس راستے سے مایوس ہوئے تو صورت یہ تھی کہ ؎

جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا!

اب جماعت اس راستے پر بہت آگے نکل گئی تھی' لوگوں کے مزاج پختہ ہو گئے تھے اور وہ سیاست اور الیکشن کے خوگر ہو چکے تھے۔ چنانچہ کارکن اب واپس آنے کو تیار نہیں تھے۔

○ "اس پورے عرصے میں کسی نکتہ چینی اور تمسخر سے بددل نہ ہوں' نہ کسی جبر و تشدد سے خوف کھائیں بلکہ کامل صبر و تحمل سے کام لیں اور ہرگز کوئی جوابی کارروائی نہ کریں" —— یہ اس جدوجہد کی دوسری سٹیج ہے۔ یوں سمجھئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کے جو بارہ برس تھے' اس دوران آپ ﷺ کی جدوجہد کو آج ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

○ "لیکن جب مناسب قوت فراہم ہو جائے تو راست اقدام کے طور پر....."

○ یہ ہے اقدام کا مرحلہ۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ کم از کم دو لاکھ ایسے افراد مہیا ہو جائیں جو دعوت' تنظیم اور تربیت کے مراحل سے گزر کر آ چکے ہوں تو اقدام کا یہ مرحلہ شروع کیا جا سکتا ہے۔

○ "اسلام نے جن برائیوں کی نشاندہی کی ہے ان کا قلع قمع کرنے کے لئے کمر کس لیں" —— یعنی نہی عن المنکر بالید کے لئے میدان میں آ جائیں کہ اب ہم یہ کام نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے لیے وہ منکرات کے مراکز کا گھیراؤ کریں اور picketing کریں۔ بینکوں کے آگے دھرنا دیں کہ ہم حرام خوری اور حرام کاری کے یہ اڈے نہیں چلنے دیں گے۔ درحقیقت حرام کاری کا سب سے بڑا اڈا بینک ہے۔ اس لئے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ "سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں' جن میں سب سے ہلکا اس کے مساوی ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔"

○ "اس کے لئے جلسوں' جلوسوں' مظاہروں اور ناکہ بندیوں کی شکل میں اپنی طاقت کے مظاہرے کے لیے تمام جدید ذرائع استعمال کریں۔ اس شرط کے ساتھ کہ یہ

سب کچھ پُر امن ہو اور اس میں ان کی جانب سے کوئی تشدد نہ ہو" ــــ یعنی خود جانیں دینے کو تیار ہوں' کسی کی جان لینے کے درپے نہ ہوں' کسی کی جائیداد کو نقصان نہ پہنچائیں' کوئی بس نہ جلائیں' کوئی سٹریٹ لائٹ نہ توڑیں' کوئی ٹریفک سگنل اور سائن بورڈ نہ توڑیں' بلکہ سیدھے اپنے مقصد کی طرف رُخ رکھیں۔

○ "اور اگر ان پر تشدد کیا جائے تو کمال صبر و استقلال کا مظاہرہ کریں حتیٰ کہ اس راہ میں جان دے دینے کو سب سے بڑی کامیابی سمجھیں۔ اس پیہم کشاکش اور جہاد فی سبیل اللہ میں یا حق کا بول بالا ہو جائے یا شہادت کی موت نصیب ہو جائے!"

فھو المطلوب۔ یہی تو ہمارا مطلوب اور مقصود ہے ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

اقول قولی ھذا و استغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ○○

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف

راہِ نجات

سُورۃ العصر کی روشنی میں

جو ایک نہایت وقیع تحریر اور ایک حد درجہ جامع تقریر پر مشتمل ہے
کا نیا ایڈیشن نئی آب و تاب اور عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ شائع ہو گیا ہے

قیمت اعلیٰ ایڈیشن : -/۳۰ روپے (مضبوط دیدہ زیب جلد' سفید کاغذ)

" اشاعتِ عام : -/۱۰ " (غیر مجلد' دبیز اخباری کاغذ)

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن'

احکامِ ستر و حجاب و شرعی پردہ

تحریر و ترتیب : انجینئر شاہد حفیظ چوہدری

پردہ اپنی مقررہ حدود کے ساتھ ایک شرعی حکم اور دینی ہدایت ہے، جس کی بنیاد کتاب و سنّت ہے۔ پردہ کوئی اختراعی چیز نہیں جسے کسی خاندان، معاشرے، قبیلے یا قوم نے کسی ہنگامی مصلحت کے تحت تجویز کیا ہو اور مسلمانوں نے خواہ مخواہ اسے شرعی حیثیت دے دی ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور ستر و حجاب کا معاملہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ اس میں نہ کمی کی گنجائش ہے نہ زیادتی کی۔ مگر ایک عرصہ سے اس کے ساتھ عملی طور پر جو افراط و تفریط کا برتاؤ کیا جا رہا اس سے عوام الناس کی نظر میں پردے کی شرعی حیثیت اور ستر و حجاب کی بنیادی حقیقت مشتبہ ہو کر مختلف شکوک و شبہات کا نشانہ بن کر رہ گئی ہے۔ اہلِ مغرب کے زیر اثر مغربی تہذیب اور ثقافت کی یلغار نے پردہ کے بارے میں نقطۂ نظر میں بھی فرق اور ہیجان پیدا کر دیا ہے جس سے پردے کے اصول اور حدود دونوں اس حد تک مشتبہ ہو گئے ہیں کہ شرعی پردہ کو علماء کی تنگ نظری کا ثمرہ کہا جانے لگا ہے اور کھلی بے ہودگی کو وقت کی ضرورت کے طور پر عام کیا جا رہا ہے۔

مختلف علماء اور اہلِ بصیرت و فضل و کمال نے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا اور سیر حاصل بحثیں کیں اور پردے کی شرعی حیثیت کو نکھار کر دنیا کے سامنے رکھا۔ ضرورت تو نہ تھی کہ اس پر مزید کوشش و کاوش کی جاتی مگر اجتماعی اور انفرادی اصلاح کے لئے میں نے ضروری سمجھا کہ اس اہم مسئلہ پر اختصار اور جامعیت کے ساتھ قرآن و حدیث کی روشنی میں چند گزارشات مرتب کر دی جائیں جو ہم سب کے لئے آسان اور قابل فہم ہوں تاکہ ہم انہیں اپنی زندگیوں میں عملی طور پر نافذ کر سکیں۔

ستر و حجاب کا فرق

ستر جسم کا وہ حصہ ہے جس کا ہر حال میں دوسروں سے چھپانا فرض ہے ماسوائے زوجین کے، یعنی خاوند اور بیوی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز بحالتِ مجبوری، بغرضِ علاج

ڈاکٹر یا حکیم کے سامنے ستر کھولنے کی اجازت ہے۔ اس معاملے میں اس قدر سختی ہے کہ لڑکی کا ستر حقیقی والد اور بھائی کے سامنے اور مرد کا ستر اپنی حقیقی ماں اور بہن کے سامنے بھی ظاہر نہیں ہونا چاہیئے۔ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور عورت کا ستر ہاتھ پاؤں اور چہرے کی ٹکیہ کے علاوہ پورا جسم ہے۔ یعنی کسی جوان لڑکی کا اپنے والد کے سامنے ننگے سر آنا بھی عریانی کے زمرے میں آتا ہے۔ کتنی بدنصیبی کی بات ہے کہ بحیثیتِ مجموعی اُمّتِ مسلمہ قرآن کریم کو ہر زمانے بلکہ قیامت تک اور ہر معاشرے کے لئے قابلِ عمل' کامل اور سچی کتاب ماننے کے باوجود اولاً تو ستر و حجاب کی قائل نہیں' ثانیاً چہرے کے پردے کے تو بڑے بڑے دیندار گھرانے بھی منکر ہیں۔

مسئلہ حجاب کی بنیادی ضرورت

واقعہ یہ ہے کہ پردہ خود مقصود نہیں' اس کی بنیادی حقیقت مقصود ہے۔ اصولی طور پر یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ تمام شرعی احکامات خصوصاً معاشرتی احکامات میں ہر شرعی حکم کی کوئی نہ کوئی بنیادی ضرورت ضرور ہوتی ہے جو اس حکم کا منشاء ہوتی ہے اور اسی ضرورت کی بنیاد پر وہ حکم شارع حقیقی کی طرف سے وضع کیا جاتا ہے' خواہ اس ضرورت کو عام آدمی دیکھ سکے یا یہ معنی و معرفت میں لپٹا ہوا ہو جس تک مفکرین' محدّثین اور راہلِ علم کی نگاہ ہی پہنچ سکتی ہو اور وہی اسے اندر سے نکال کر باہر نمایاں کر سکتے ہوں۔ عورت کا حجاب بلاشبہ ایک دینی اور شرعی حکم ہے لیکن بذاتِ خود مقصود نہیں ہے' بلکہ ان خطرناک متعدی معاشرتی بیماریوں اور مسائل سے بچنے کا طریقہ ہے جو انسانیت کے لئے زہرِ قاتل ہیں اور ان کے متعدّی اثرات سے کسی بھی وقت اقوامِ عالم تباہی و بربادی کے کنارے لگ سکتی ہیں۔ مسلمان معاشرے کے لئے مہلک ترین متعدی بیماری کو قرآن کریم نے فحش سے تعبیر کیا ہے جس کا دوسرا نام بے حیائی' بے غیرتی' عریانی اور سیہ کاری ہے اور یہ بلاشبہ اقوام کی زندگی کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔

فحاشی

فحاشی حیاء و عِفّت کی ضد ہے۔ حیاء عقل کا حاصل ہے جبکہ فحاشی اور بے عقلی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جانوروں میں نر اپنی مادہ پر جست لگاتا ہے تو اسے عجیب اور اس

حیوان کے لئے مہلک نہیں سمجھا جاتا' اس لئے کہ وہ عقل سے خالی ہے۔ لیکن انسان ایسی حرکت کرے تو بد سے بد تر آدمی بھی اسے بری نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس برائی کا چرچا کرتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اگر بے حیائی آئے تو انسانیت غائب ہو جاتی ہے۔

آج اگر ہم مغربی معاشرے کا بغور جائزہ لیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ عقل و خرد کے زوال کے سبب اور ان وقتی لذّات کو زندگی کا حاصل سمجھ کر اور انجام سے قطع نظر وہ اس مہلک بیماری (فحاشی) کا شکار ہو گئے ہیں۔ فحاشی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ طبعی طور پر اس سے رشتہ زوجیت اور سلسلہ مناکحت کمزور ہو کر رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے' کیونکہ عورت کو ایک وقفِ عام اور پبلک پراپرٹی کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی پاکیزہ اور خصوصی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ نکاح رخصت ہو جاتا ہے اور زنا طاعون کے مرض کی طرح پھیل جاتا ہے اور پھر عورت پر مرد بلا روک ٹوک جست لگائے یا دونوں باہمی رضامندی سے جو دل میں آئے کریں' یا پھر فن و ثقافت کے نام پر جس طرح چاہیں غلاظت پھیلائیں' انہیں روکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

انہی عوامل کی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں خاندانی نظام بالکل ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ اولاً تو وہاں پچاس فیصد لوگ شادی جیسے بکھیڑوں میں پڑتے ہی نہیں اور جو یہ "غلطی" کر لیتے ہیں وہ اس مادر پدر آزادی کی وجہ سے نباہ نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ان ممالک میں طلاق کی شرح ۸۰ سے ۹۰ فیصد تک ہے۔ اس متعدی مرض کو جدید تہذیب کے متوالے ہمارے ملک میں متعارف کرانے کی کوشش کر رہے ہیں اور خاصی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں' حالانکہ بے پردگی کے نتائج بار بار سامنے آ رہے ہیں۔ ہر روز اغوا اور گینگ ریپ کی خبریں اخبارات کی زینت ہوتی ہیں اور الیکٹرانک میڈیا اور اخبارات' ڈرامے' تفریح اور ثقافت کی آڑ میں عریانی و فحاشی کی ترویج و ترقی پر ہمہ وقت اپنی صلاحیتوں کو صرف کر رہے ہیں۔ آج ماحول کچھ اس طرح ہے کہ نکاح کرنے میں مسائل اور مشکلات زیادہ ہیں اور زنا آسان اور سہل ہے۔ عورتیں تو ناقص العقل ہیں' انہیں مرد جو باور کراتا ہے کر لیتی ہیں' تعجب تو ان مردوں پر ہے جو اپنی بہو بیٹیوں کی شرم و حیاء کی غارت گری کس بے حمیتی سے برداشت کرتے ہیں' بقولِ اکبر الہ آبادی :

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

احکام حجاب

احکام حجاب سب سے پہلے ۵ھ میں حضور اکرم ﷺ کے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۳ میں نازل ہوئے۔ اس آیت کو آیت الحجاب بھی کہا جاتا ہے :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ؗ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھر میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو اور نہ کھانے کے وقت تاکتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ' مگر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ' باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ تمہاری یہ حرکت نبی کو تکلیف دیتی ہے مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔ اور جب تمہیں نبیؐ کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو' یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو' یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ تم خواہ کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ' اللہ کو ہر بات کا علم ہے۔"

اس آیت سے واضح ہوا کہ بغیر اجازت کوئی کسی کے گھر میں داخل نہ ہو۔ کہیں دعوت میں جانا ہو تو پہلے سے جا کر مت بیٹھ جاؤ بلکہ عین وقت پر پہنچو اور کھانا کھا کر چل دو' خواہ مخواہ بیٹھے نہ رہو۔ اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ تصور کیجئے کہ یہ حکم اُمّت کی ماؤں کے لئے ہے' جن کے ساتھ ایک مؤمن اور مسلمان کا رشتہ اپنی حقیقی ماں سے بھی زیادہ پاکیزہ اور متبرک ہے تو عام مسلم خواتین کے ساتھ بغیر پردے کے بات چیت یا کوئی لین دین کرنے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے؟ مزید برآں سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۲ اور ۳۳ میں حکم دیا گیا :

﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ ﴾

"نبیؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے' بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابقہ دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پاک کر دے۔"

جس طرح مندرجہ بالا آیات میں نبی اکرم ﷺ کی بیویوں کو عام مسلمان خواتین سے الگ کر دیا گیا ہے' اسی طرح مسلمان خواتین کو بھی غیر مسلم خواتین اور مسلمان فاسق و فاجر خواتین پر فضیلت حاصل ہے۔ ظاہراً پروردگار نے نبی ﷺ کی بیویوں کو مخاطب کیا ہے مگر عملاً یہ خطاب تمام مؤمن خواتین سے ہے۔ سرسید احمد خان سے وائسرائے ہند نے خواہش ظاہر کی کہ اس کے اہل خانہ سرسید کے اہل خانہ سے ملنا چاہتے ہیں' لیکن سرسید نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہماری خواتین غیر مسلم خواتین سے پردہ کرتی ہیں۔ کافر اور فاسق و فاجر عورتیں مسلمان عورتوں کے لئے غیر محرم مَردوں ہی کی طرح ہیں' خواہ وہ

مسلمان خواتین کی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

حرمت کے رشتے

حرمت محرم سے نکلا ہے۔ فیروز اللغات میں محرم کے معنی ایسا قریبی رشتہ دار ہے جس کے ساتھ کسی صورت میں بھی نکاح جائز نہ ہو۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۲۲ اور ۲۳ میں فرمایا گیا:

﴿ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ○ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ ﴾

"اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو (سوتیلی ماں)، مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ یہ بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بہت برا چلن ہے۔ حرام کر دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (ساس) اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہے (یعنی بیوی کی لڑکی جو پچھلے خاوند سے ہو) جن بیویوں سے تم صحبت کر چکے ہو۔ اگر تم نے صحبت نہیں کی تو پھر تمہیں گناہ نہیں کہ تم (اس کی لڑکی) سے نکاح کرو۔ اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں جو تمہارے صُلب سے ہوں۔ اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ نکاح میں (بیک وقت)

دو بہنوں کو جمع کرو' مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہ عورتیں بھی تم حرام ہیں جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں (محصنات)' البتہ ایسی عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں جو (جنگ میں) تمہارے ہاتھ آئیں۔ یہ اللہ کا قانون ہے (جس کی پابندی تم پر لازم کر دی گئی ہے)۔"

سورۃ النور آیت ۳۱ میں ربّ العزّت نے حرمت کے رشتوں کو واضح کیا ہے (یعنی جن کے سامنے عورت بغیر حجاب کے جا سکتی ہے) فرمایا :

﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ ﴾

"(اے نبیؐ!) مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں' اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور بناؤ سنگھار نہ دکھائیں' بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔ وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں مگر ان لوگوں کے سامنے : شوہر' باپ' شوہروں کے باپ' اپنے بیٹے' شوہروں کے بیٹے' بھائی' بھائیوں کے بیٹے' بہنوں کے بیٹے' اپنے میل جول کی عورتیں' اپنے لونڈی غلام' وہ زیر دست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔ اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ اے مؤمنو! تم سب مل کر اللہ کی جناب میں توبہ کرو' توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے۔"

اس آیت میں عورتوں کو پہلا حکم یہ دیا گیا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی

حفاظت کریں' اور یہی حکم مَردوں کو سورۃ النور کی آیت ۳۰ میں دیا گیا ہے :

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○ ﴾

"(اے نبیؐ !) مؤمن مَردوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے' جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔"

اس آیت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نظروں کی حفاظت مَردوں اور عورتوں دونوں پر فرض ہے اور یہ پاکیزگی کا بہترین طریقہ ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے جو خواتین پردے کا اہتمام کرتی ہیں ان میں بھی بالعموم حفاظت نظر کا اہتمام نہیں۔ واضح رہنا چاہیئے کہ بد نظری' بد کاری کی پہلی سیڑھی ہے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ کے حجرۂ مبارک میں تشریف لائے تو حضرت عائشہ اور اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہما سے آپ ؐ نے فرمایا : ((احتجبا منه)) "ان سے پردہ کریں!" قالتا أليس هو اعمٰى؟ قال : ((افعمياو ان انتما؟)) وہ کہنے لگیں : "یہ تو نابینا ہیں" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "مگر تم تو نابینا نہیں ہو"۔ کتنی فکر کی بات ہے کہ ہمارے معاملات کس نہج پر پہنچ چکے ہیں' نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کو مخلوط تعلیم کے نام پر کس طرح شانہ بشانہ غیر محرموں کے ساتھ میل جول کی اجازت ہے اور ساتھ ساتھ یہ تکرار بھی کی جاتی ہے کہ ہمیں اپنی بچی پر اعتماد ہے۔ کیا حضور اکرم ﷺ کو (نعوذ باللہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اعتماد نہیں تھا جن کی پاکیزگی کی گواہی خود ربّ العزت نے سورۃ النّور (رکوع نمبر۲) میں دی ہے۔ نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک مہلک تیر ہے جو آنکھ کے راستے سے دل میں اتر جاتا ہے' پھر دونوں فریق ہمکلام ہوتے ہیں' یوں بات آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بد نظری بد کاری کا راستہ کھولتی ہے' اسی وجہ سے نظروں کی حفاظت کے حکم کو حفاظت فرج کے حکم پر مقدم رکھا گیا ہے۔

اگر ہم تدبّر کریں تو ٹیلی ویژن' تصاویر والے اخبارات و رسائل اور غیر محرم کی تصاویر کو بھی بد نظری ہی میں شمار کیا جائے گا۔ ہمارے نام نہاد دانشور بے حیائی' فیشن' ڈش انٹینا اور رسائل و جرائد کو جدید دور کی اہم ضرورت قرار دے رہے ہیں' جبکہ ڈش

انٹینا' فیشن اور بے ہودہ رسائل سے پورا معاشرہ اخلاقی طور پر تباہ ہو کر رہ گیا ہے اور یہ چیزیں وبائی امراض کی طرح معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہیں۔ کسی فلسفی کا قول ہے کہ آج جو چیز دیکھو گے کل اپنی زندگیوں میں اپناؤ گے۔ ایک اور قول ہے کہ جس چیز کے تذکرے تمہاری روزمرہ کی زندگی میں ہوں گے وہی چیزیں عملی طور پر تمہارے معاشرے میں جنم لیں گی۔ آج ہمارے ساتھ بعینہٖ یہ واقعہ پیش آرہا ہے جس سے رفتہ رفتہ غیرت' عزت' شرم و حیاء حتیٰ کہ اخلاقی اور معاشرتی اقدار بھی رخصت ہو رہی ہیں۔

سورۃ النور کی مذکورہ بالا آیت میں اپنی نگاہوں اور عِفّت و عصمت کی حفاظت کے حکم کے بعد فرمایا کہ عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ حکم نازل ہوا تو مسلمان عورتوں نے موٹی موٹی چادریں کاٹ کر اپنے دوپٹے اور اوڑھنیاں بنالیں۔ واضح رہے کہ باریک کپڑے سے سینہ اور بدن کا پردہ نہیں ہو سکتا۔ سورۃ الاحزاب آیت ۵۹ میں یہ حکم اور بھی وضاحت کے ساتھ نازل ہوا :

﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا○ ﴾

"اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اور اللہ غفور و رحیم ہے"

آج کل کی عورتیں سر چھپانے کو عیب سمجھتی ہیں اور کوئی خاتون دوپٹہ اوڑھتی بھی ہے تو وہ اس قدر باریک ہوتا ہے کہ سر کے بال اور مواقع حسن و جمال واضح نظر آتے ہیں۔ اکثر دوپٹہ ایسے کپڑے کا ہوتا ہے کہ وہ سر پر ٹھہرتا ہی نہیں' بار بار سرک کر نیچے آجاتا ہے۔ حضرت دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مصر کے باریک کپڑے آئے تو آپؐ نے اس میں سے ایک کپڑا مجھے عنایت فرمایا کہ اس سے ایک اپنا کرتا بنالو اور دوسرا اپنی بیوی کو دینا جس کا وہ دوپٹہ بنالے۔ اور آپؐ نے مزید تاکید کی کہ بیوی کو حکم دینا کہ نیچے کوئی موٹا کپڑا لگا لے جس سے اس کی باریکی کی تلافی ہو

جائے اور اعضاء ظاہر نہ ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے' اُس وقت حضرت حفصہؓ نے باریک دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے وہ دوپٹہ لے کر پھاڑ ڈالا اور اپنے پاس سے ان کو موٹے کپڑے کا دوپٹہ دیا۔

دوپٹے کے حکم کے بعد اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے محرموں کا ذکر فرمایا کہ محرموں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ زینت میں چہرہ' ہاتھ' بازو' سر اور کان ہیں' کیونکہ انہی جگہوں پر ہار' چوڑی' بالی اور جھومر وغیرہ ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ محرم وہ ہے جس سے کبھی بھی کسی حال میں نکاح نہ ہو سکے۔ یعنی جس مَرد سے کبھی نکاح جائز نہ ہو وہ مَرد اور عورت ایک دوسرے کے محرم ہیں۔ محرموں میں اللہ ربّ العزّت نے آٹھ رشتے گنوائے ہیں' کہ عورت ان کے سامنے اپنی زینت ظاہر کر سکتی ہے۔ یعنی زینت صرف محرم کے لئے ہے اور غیر محرم سے زینت اور مواضع زینت چھپانا فرض ہے۔ اگر غور کریں تو اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ غیر محرموں سے چہرے کا یقیناً پردہ ہے۔ ممانی اور چچی اگر کسی اور رشتہ سے محرم نہ ہوں تو محض چچی اور ممانی ہونے سے محرم نہیں ہوں گی۔ یہی معاملہ بھابھی' سالی' بیوی کی بھانجی اور بیوی کی بھتیجی کے ساتھ ہوگا۔ دیور' جیٹھ اور نندوئی بھی اسی حکم کی حدود میں آتے ہیں ماسوائے اس کے کہ وہ کسی اور رشتہ سے محرم ہوں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "نامحرم عورتوں کے پاس مت جایا کرو"۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! عورت کے سسرالی رشتہ داروں کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا "سسرالی رشتہ دار تو موت ہیں"۔ اس حدیث میں سب سے زیادہ قابل توجہ چیز یہ ہے کہ سسرالی غیر محرم رشتہ داروں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موت سے تشبیہہ دی۔ یعنی دیور' جیٹھ' نندوئی اور دوسرے تمام غیر محرم مَردوں سے پردہ کرنا لازم اور فرض ہے' مگر دیور' جیٹھ اور سسرالی رشتہ داروں سے تو اس طرح بچنا چاہیئے جس طرح ہم موت سے بچنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ مسلمان عورت اپنی زینت کا اظہار ایسے مَردوں کے سامنے بھی کر سکتی

ہیں جو کھانے پینے کے لئے طفیلیوں کی طرح گھر میں رہتے ہوں اور کسی بھی طرح عورتوں کی طرف میلان نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کا اس سے وہ شخص مُراد ہے جس کی عقل اس قدر بے ٹھکانا ہو اور اس کی خواہش نفس مُردہ ہو چکی ہو۔ اس درجہ بندی میں وہ شخص شمار نہ ہو گا جو پاگل ہونے کے ساتھ ساتھ جوان بھی ہو اور اسے دیکھ کر عورت کو میلان ہو۔

مزید فرمایا کہ "عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے سنبھال یا چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں علم ہو جائے"۔ اس سے مراد زیورات کی آواز ہے۔ جن زیورات سے آواز پیدا ہو وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک جو خود بخود بجتا ہو 'یعنی گھنگھرو وغیرہ' یہ تو بالکل ممنوع ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بجنے والی چیز کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔ دوسرے زیورات وہ ہیں جو خود تو نہیں بجتے مگر ان کے آپس میں ٹکرانے سے آواز پیدا ہوتی ہے 'جیسے چوڑیاں اور کڑے وغیرہ۔ آیت بالا میں اسی قسم کے زیورات کے متعلق ذکر ہے۔ مطلب یہ کہ اس قسم کا زیور پہننا تو درست ہے مگر پاؤں مار کر چلنا اور دوسروں کو اس کی آواز سنانا جائز نہیں بلکہ گناہ ہے۔ اس میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ جب زیورات کی آواز کو پوشیدہ رکھنے کا ایسا اہتمام ہے تو زیور پہننے والی کی آواز اور صورت کا غیر محرموں سے اخفا کرنا کتنا ضروری اور لازم ہے۔ کیونکہ آواز بھی ایک فتنہ ہے۔ گانے اور غزلیں اس کی سب سے بڑی مثال ہیں۔

سورۃ النور کی مندرجہ بالا آیات کے ترجمہ اور تشریح سے احکامِ پردہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ جدید دور کے دانشوروں اور قرآن سے پردہ اور احکامِ پردہ کا ثبوت مانگنے والوں کو اپنی کم علمی اور ہٹ دھرمی پر شرمندہ ہونا چاہیئے۔ احکامِ قرآن کو اپنی عقل و دانش اور جدید دور کی ضروریات سے متصادم قرار دینا فکر کا مقام نہیں تو اور کیا ہے؟ جہاں عورتوں کو زینت اور مواضع زینت کو چھپانے اور پوشیدہ رکھنے کا حکم ہے وہاں غیر محرموں کو دیکھنا بھی سخت گناہ اور وبال ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بد نظری عمل شر کا نقطۂ آغاز ہے۔ جب ایک خالی الذہن انسان کسی غیر محرم کو دیکھتا ہے تو شیطانی وسوسے اس کے ذہن و قلب پر خواہشات پیدا کرتے ہیں۔ پھر بری خواہشات بری نیت اور ارادے میں تبدیل ہوتی ہیں 'پھر بار بار دیکھنے سے اس کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے اور ارادہ عزمِ مصمم بن

جاتا ہے اور آخری مرحلہ اور شر کی چوٹی اس برائی پر عمل ہے۔ ربّ العزت چاہتے ہیں کہ جس مقام سے برائی کی ابتدا ہو رہی ہے اسی مقام پر شر کا آغاز ہی میں قلع قمع کر دیا جائے۔ اگر کوئی اس پر پھر بھی عمل کرنے کو تیار نہ ہو اور اللہ کی حدود کو بلا روک ٹوک توڑے تو اصلاحِ معاشرہ اور پاکیزگی کی غرض سے سخت سے سخت ترین سزاؤں کا حکم ہے۔
سورۃ النور آیت ۶۰ میں بعض خواتین کے لئے پردہ میں تھوڑی سی نرمی کا حکم دیا گیا ہے' مگر یہ نرمی کچھ مشروط ہے۔ فرمایا :

﴿ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ ﴾

"اور جو عورتیں جوانی سے گزری بیٹھی ہوں' نکاح کی امیدوار نہ ہوں وہ اگر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں' بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔ تاہم وہ بھی حیاداری ہی برتیں تو ان کے حق میں اچھا ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"

جوانی سے گزر کر بیٹھی ہونے سے مراد وہ خواتین ہیں جو عمر کے اس حصہ میں ہوں جس میں وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں' ان کی جنسی خواہشات بھی مرچکی ہوں اور ان کو دیکھ کر مَردوں میں بھی کوئی صنفی جذبہ پیدا نہ ہوتا ہو۔ چادر اتار دینے سے عورت کی نیت مَردوں کے سامنے اپنے حسن اور آرائش کو ظاہر کرنا نہ ہو' بلکہ ان ضعیف خواتین کو اجازت دی جارہی ہے جن کے اندر بن ٹھن کے رہنے کا شوق باقی نہ رہا ہو اور جن کی جنسی خواہشات سرد ہو چکی ہوں۔ اگر کہیں آگ میں کوئی چنگاری بھی باقی ہو تو نرمی کا حکم نہیں۔ یہ ہم سب کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ جب بوڑھی عورت کی نیت میں بال برابر فتور کی صورت میں پردہ کا حکم ہے اور نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں تو نوجوان اور پُرکشش خواتین کے لئے چہرہ کھولنے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے؟ اسی لئے عہدِ نبویؐ اور عہدِ صحابہؓ میں پردہ کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ افسوس کہ اس ترقی یافتہ اور جدید دور میں جہاں قرآنی آیات کی سائنسی تحقیق سے تصدیق ہو رہی ہے اور حضورِ اقدس ﷺ کے تمام احکامات سچ ثابت ہو رہے ہیں' وہاں بہت سی مسلمان بہنوں نے اللہ

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

علّامہ اقبال اور شعرِ فارسی

ایران کے حال و مستقبل کے آئینہ میں

بسلسلۂ علّامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۱۶)

ڈاکٹر ابو معاذ

حضرت علامہ اقبالؒ نے اپنے زمانے کے متدیّن مسلمان گھرانوں کے دستور کے مطابق بچپن میں عربی اور فارسی کا وسیع مطالعہ کیا اور آہستہ آہستہ آپ کی ذات میں پوشیدہ عجمیت کی روح آپ پر غالب آنے لگی۔ آپ اسلام کی حقانیت سے پوری طرح متاثر ہوئے اور فکر اسلامی کے زبردست مبلغ بن کر شعر اور نثر کے ذریعہ پیغام حق کی اشاعت میں منہمک ہو گئے اور اسے اپنی زندگی کا اہم ترین مشن بنا لیا۔ آپ کو اپنے کشمیری اور برہمن زادہ ہونے کا بھرپور احساس تھا اور آپ کی سوچوں پر مولانا رومؒ کا فلسفۂ ایمانی اور فارسی گو شعراء، متصوّفین اور مفکرین کی گہری چھاپ نظر آنے لگی اور آپ نے فرمایا ؎

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادہ ای رمز آشنائے روم و تبریز است

(مجھے اچھی طرح دیکھ لو کہ ہندوستان میں پھر ایسا کوئی اور شخص آپ کو کبھی نظر نہیں آئے گا جو برہمنوں کی اولاد سے ہو کر روم اور تبریز کے فکری خزانوں کا راز دان ہو۔)

یہاں روم سے مولانا جلال الدین رومیؒ کے اشعار اور تبریز سے مُراد حضرت شمس الدین تبریزیؒ کی فکری اور رُوحانی قوت ہے۔ شمس تبریزی مولانا روم کے پیرو مرشد بھی تھے اور مولانا رومؒ کا دیوان بھی دیوان شمس تبریزی کہلاتا ہے۔

آہستہ آہستہ ریگزارِ عرب کی فطری سادگی آپ کے دل کو بھاتی چلی گئی اور مکہ و مدینہ میں حرمین شریفین کی موجودگی کے باعث آپ کو سرزمینِ حجاز سے ایک خاص محبت ہو گئی

تھی۔ آپ اپنے دل کو حرم کی رُوحانیت سے وابستہ قرار دیتے ہیں۔ ایران میں شیراز کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ مزید بر آں یہ شہر وہاں کے قدیم ثقافتی اور اخلاقی و رُوحانی مرکز فارس کے صوبہ کا دارالحکومت ہے اور وہاں کی فارسی زبان ٹکسالی زبان سمجھی جاتی ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں ؂

تنم گُلے ز خیابانِ جنّتِ کشمیر
دل از حریمِ حجاز و نوا ز شیراز است

(میرا جسم کشمیر کی جنت نظیر وادی کے باغ کا ایک پھول ہے۔ میرا دل حجاز کے حرم سے وابستہ ہے اور میری آواز شیراز کی ہے۔)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے اشعار کے لئے فارسی زبان کا انتخاب کیوں کر کیا؟ آپ خود فرماتے ہیں کہ آپ کے زمانے میں فارسی ابھی تک برِّصغیر کے دانشور اور سنجیدہ طبقہ (intellectuals) کی معنوی اور ثقافتی زبان ہے اور میں اپنا پیغام صرف دانشوروں کے اسی طبقہ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ عامّۃ النّاس چونکہ اس کو سمجھ نہیں پائیں گے اس لئے قصداً میں نے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے اس زبان کا انتخاب کیا ہے۔ اپنے اشعار میں آپ نے اس کی اور توجیہ بھی کی ہے اور فرمایا ہے کہ ؂

هندیم از پارسی بیگانه ام ماهِ نو باشم تهی پیمانه ام
حسنِ اندازِ بیان از من مجو خوانسار و اصفهان از من مجو
گرچه هندی در عذوبت شکر است طرزِ گفتارِ دری شیرین تر است

(میں ہندوستانی ہوں اور فارسی کی زیادہ سوجھ بوجھ نہیں رکھتا۔ نئے چاند کی طرح میرا پیمانہ ابھی تک خالی ہے۔ اس لئے اندازِ بیان کی ممکنہ خوبیاں اور شعری محاسن میرے کلام سے مت تلاش کرنا اور جو خوبیاں اہل زبان یعنی ایران کے مشہور مقامات اصفہان اور خوانسار کے شعراء کے کلام میں پائی جاتی ہیں وہ میرے ہاں تو نہیں ملیں گی۔ اگرچہ ہندی یعنی اردو زبان میں بھی شیرینی شامل ہے مگر فارسی میں بات کرنے کا اور ہی مزا ہے۔)

پھر آپ فرماتے ہیں ؂

پارسی از رفعتِ اندیشه ام
در خورد با فطرتِ اندیشه ام

(میرے افکار اس قدر بلند ہیں کہ فارسی ہی وہ واحد زبان ہے جو ان کو اپنے وسیع دامن میں سمو سکتی ہے۔)

درحقیقت یوں لگتا ہے کہ یہ بھی مشیتِ ایزدی تھی کہ آپ فارسی میں شاعری کریں تاکہ بالآخر آپ کا کلام اردو بولنے والے علاقوں کی حدود و قیود سے نکل کر فارسی گو ممالک مثلاً ایران' افغانستان' تاجکستان اور ازبکستان کے علاوہ ان ممالک میں بھی پہنچ جائے جہاں رابطہ کی زبان فارسی ہے۔ مثلاً ترکمانستان' آذربائیجان' قفقاز کے کچھ علاقے اور چینی صوبہ زنجیانگ۔ شاید یہ مشیتِ ایزدی تھی کہ کبھی نہ کبھی یہ ممالکِ عجم احیائے اسلام کے مراکز بن جائیں۔

آپ کی نگاہیں دور دور تک دیکھ رہی تھیں اور آپ آنے والے زمانے کا چشمِ حال سے مشاہدہ فرماتے ہوئے محسوس کر رہے تھے کہ ایک نہ ایک دن آپ کا پیغام ان خطوں کے عوام تک پہنچنے والا ہے اور کئی ایک فکری اور معنوی انقلابات کا محرک بننے والا ہے۔ آپ کو علم تھا کہ اسلام کی رُوح کی بیداری کا وقت اب قریب آن پہنچا ہے اور صدیوں سے خوابِ گراں کے مزوں میں مدہوش اہلِ مشرق بالآخر بیدار ہونے والے ہیں ؎

انتظارِ صبح خیزاں می کشم اِی خوشا زرتشتیانِ آتشم
نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم من نوائے شاعرِ فرداستم
عصرِ من دانندۂ اسرار نیست یوسفِ من بہرِ این بازار نیست
اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد چشمِ خود بر بست و چشمِ ما کشاد
رخت باز از نیستی بیروں کشید چوں گل از خاکِ مزارِ خود دمید

(میں اس رات کے اندھیروں میں صبح صبح بیدار ہونے والوں کا انتظار کر رہا ہوں۔ کتنے خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جو میرے سینے میں جلنے والی آگ کے زرتشتی ہوں گے۔ میں تو ایک نغمہ ہوں جسے ساز کی کوئی پروا نہیں ہے کیونکہ میں تو مستقبل کے شاعر کی آواز ہوں۔ میرا دور رازہائے ہستی سے بے خبر ہے اور میری قیمتی متاع یعنی یوسف اس مصر کے بازار کے لئے نہیں ہے۔ کئی بار ایسا بھی تو ہوا ہے کہ شاعر اپنی موت کے بعد پیدا ہو گیا ہو' جس نے اپنی آنکھیں موندتے ہی سب کی آنکھیں کھول دی ہوں' جس نے ایک بار پھر عدم سے اپنے ساز و سامان کے ہمراہ ظاہر ہونے کی سعادت حاصل کر لی ہو اور اپنی قبر کی مٹی سے پھول کی

طرح دوبارہ ظاہر ہو گیا ہو۔)

دراصل یورپ میں اپنے قیام کے دوران آپ کو ایرانِ قدیم کے فلسفہ اور افکار کے وسیع مطالعہ کا ایک نادر موقع فراہم ہوا اور آپ نے فارسی ادب اور فلسفہ کا اس قدر مطالعہ فرمایا کہ اس کے بعد آپ نے فارسی زبان ہی میں سوچنا شروع کر دیا۔ اس طرح آپ کی سوچ پر عجمی اثرات گہرے ہونا شروع ہو گئے۔ آپ کے پی ایچ ڈی کے مقالہ کا عنوان بھی "فارس میں افکار کا ارتقاء" تھا اور آپ نے جس عالمانہ اور ناقدانہ انداز میں اپنے تحقیقی مطالب اور دلی احساسات کو قلمبند فرمایا اس پر ڈاکٹر حسین نصر (جو تہران یونیورسٹی کے چانسلر اور ایران کی مجلس فلسفہ کے سربراہ رہے ہیں) اپنی کتاب "تاریخ فلسفہ ایران" میں لکھتے ہیں کہ "علامہ اقبال کے علاوہ عصر حاضر میں کسی بھی شخص کو ایران کے فلسفہ کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کرنے کا خیال نہیں آیا۔ آپ نے اپنے مقالہ سے عجم کی آنکھیں کھول کر رکھ دی ہیں"۔

اس مطالعہ نے آپ کو ایک مستقل اضطراب اور کرب سے روشناس کروا دیا اور آپ کی ذات میں ایک تڑپ اور لگن پیدا ہو گئی جس کے دامن سے ایک ایسی ناتمام آرزو نے جنم لیا جو ایک نہ ایک دن اس بے بس جہان کو تہہ و بالا کر کے ایک عظیم فکری و سماجی انقلاب برپا کرنے والی تھی جس کی اساس اسلام کا ابدی پیغام تھی ۔

فقر بخشی؟ باشکوہِ خسروِ پرویز بخش　　یا عطا فرما خرد با فطرتِ رُوح الامیں
یا چناں کن یا چنیں!

یا بکش در سینۂ من آرزوے انقلاب　　یا دگرگوں کن نہادِ ایں زمان و ایں زمیں
یا چناں کن یا چنیں!

(اے خدا! اگر تو نے مجھے فقر عطا کرنا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ مجھے خسرو پرویز جیسے بادشاہ کی شان و شوکت بھی عطا کر۔ اگر یہ ممکن نہیں تو مجھے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی فطرت عطا کر کے عقل و دانش سے مالا مال کر دے۔ یا یہ عطا کر دے یا وہ عطا کر دے۔ یا تو میرے سینے میں سے انقلاب کی آرزو کو کچل دے۔ اگر یہ ممکن نہیں تو اس زمانے اور اس سرزمین کی فطرت بدل کے رکھ دے۔ یا تو یہ کر دے یا وہ کر دے۔)

علامہ اقبال کے ذہن میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ آپ ایک فارسی گو شاعر ہیں

اگرچہ آپ نے اپنے اشعار و نغمات میں اپنے دلی احساسات کو سمو کر دین اسلام سے گہری وابستگی کا نہ صرف ثبوت فراہم کیا بلکہ اپنے احساسات کو ممالکِ عجم میں اس طرح عام کر دیا ہے کہ آج ان کی بازگشت تمام فارسی گو ممالک میں سنائی دے رہی ہے۔ بعض اوقات آپ کا جی چاہتا تھا کہ آپ عربی کی لے میں بھی گیت گائیں تاکہ آپ کا مافی الضمیر سرزمین عرب میں بھی عام ہو سکے۔ مگر آپ نے حریمِ حجاز سے جس دلی تعلق کی جانب اشارہ فرمایا اس کے بارے میں کچھ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

گہے شعرِ عراقی را بخوانم — گہے جامے زند آتش بجانم
ندانم گرچہ آہنگِ عرب را — شریکِ نغمہ ہائے ساربانم

(کبھی تو میں حضرت فخرالدین عراقیؒ کی غزلیات گا رہا ہوں اور کبھی مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامیؒ کی نعتیں اور دوسرے اشعار میری جان میں آگ لگا رہے ہیں۔ اگرچہ میں عرب کی زبان اور آہنگ سے ناواقف ہوں لیکن پھر بھی صحرائے عرب کے ساربانوں کے نغمات میں شریک ہوں۔)

اسی طرح آپ فرماتے ہیں کہ آپ صحرائے عرب سے ہوتے ہوئے حضورِ رسالت مآب ﷺ میں پہنچتے ہیں تو حضورِ رسالتؐ میں یہ پوچھا جاتا ہے ؎

امیرِ کارواں آں اعجمی کیست؟ — سرودِ اُو بآہنگِ عرب نیست
زند آں نغمہ کز سیرابیٔ اُو — خنک دل در بیابانے تواں زیست

(اے امیر کاروان! وہ عجمی یعنی علامہ اقبال کون شخص ہے جس کے نغمات کی آہنگ عربی آہنگ سے مختلف ہے، پھر بھی اس کے نغمات میں وہ چاشنی ہے کہ اگر وہ بیابان میں بھی گائے جائیں تو وہاں پر بھی جینے کا لطف آجائے)

ان اشعار میں علامہ اقبال کا خیال یہ ہے کہ آپ کے فارسی اشعار اس قدر بلند پایہ ہیں کہ ان میں تمام مشکل مضامین و مطالب بیان ہو سکتے ہیں اور وہ دین کے رموز اور کنایات کی صحیح ترجمانی کر سکتے ہیں جن کے باعث ویرانوں میں یعنی دینی فکر سے بے بہرہ خطوں میں بھی وہی ماضی کی رونق واپس آسکتی ہے۔ آپ اس عہد میں عرب و عجم میں ذہنی زوال اور فکری ابتری سے پریشان تھے اور آپ کو محسوس ہو رہا تھا کہ انگریزوں نے جو نام نہاد جدید تہذیب کا شوشہ مسلمانوں میں چھوڑا ہوا تھا وہ مسلمانوں کی رُوحانی بنیاد کو کمزور کر رہا تھا۔ آپ پریشانی کے عالم میں آنحضور ﷺ کے حضور عرض کرتے ہیں ؎

در عجم گردیدم و ہم در عرب　　مصطفیٰ نایاب و ارزاں بو لہب
(عرب و عجم میں ہر جگہ میں نے گھوم پھر کر یہی دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دین کے اثرات اب نایاب ہیں، جبکہ شیطانی اثرات یعنی ابولہب کے آثار ہر جگہ موجود ہیں۔)

ایں مسلماں زادۂ روشن دماغ　　ظلمت آبادِ ضمیرش بے چراغ
(عصرِ حاضر کے روشن دماغ مسلمان زادہ کے ضمیر کی تاریکیوں میں ایک بھی ہدایت کا دیا جلتا ہوا نظر نہیں آ رہا۔)

ایں غلام ابنِ غلام ابنِ غلام　　حُرّیت ز اندیشہ اُو شد تمام
(یہ پشتوں سے غلامی کی زندگی گزار رہا ہے اور صدیوں کی غلامی نے اس کی سوچوں سے آزادی کو ختم کر دیا ہے۔)

آتشِ افرنگیاں بگداختش　　یعنی ایں دوزخ دگرگوں ساختش
(اہلِ مغرب کی مسلط کردہ سوچوں کی دوزخ میں جلتے جلتے یہ تباہ و برباد ہو چکا ہے اور اپنے تشخص کو مکمل طور پر کھو چکا ہے۔)

اُس دور میں آپ کے نزدیک ملتِ اسلامیہ قطعاً غیر منظم اور پریشان حال تھی، نہ تو اس کا کوئی رہنما (امام) موجود تھا جو سامنے آ کر اس کی بدبختیوں کا ازالہ کر کے اسے صحیح راہ دکھا سکے اور نہ ہی اس ملت کی کوئی واضح منزل متعین تھی۔ انگریزوں کے کٹھ پتلی اور بے اختیار بادشاہ اس پر چھائے ہوئے تھے اور کچھ علاقوں میں تو براہ راست انگریز بادشاہ کا حکم چلتا تھا۔ ایران پر ان دنوں ایسی بے جان اور دقیانوسی طرز کی بادشاہت مسلط تھی جو پوری طرح انگریزوں اور روسیوں کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی۔ اس قدیم اور ظلم و استبداد پر مبنی نظام نے انسانیت کو اس کے حقیقی جوہر سے محروم کر رکھا تھا ؎

ہنوز ایں چرخِ نیلی کج خرام است　　ہنوز ایں کارواں دُور از مقام است
ز کارِ بے نظامِ او چہ گویم　　تو می دانی کہ ملّت بے امام است
(ابھی تک نیلے آسمان کی گردش ہمارے موافق نہیں ہوئی۔ ابھی بھی ہماری قوم کا کارواں اپنی منزل سے بہت دُور بیابانوں میں بھٹک رہا ہے۔ اس قوم کی بدانتظامی کا رونا کیا کیا روؤں۔ آپ تو جانتے ہیں کہ یہ قوم اس وقت اپنے امام کی تلاش میں ہے۔)

پھر آپ انہی الفاظ کو کچھ اس طرح دہراتے ہوئے ہمیں اپنے صحیح ضابطہ حیات سے آگاہ کرتے ہیں ؎

ہنوز اندر جہاں آدم غلام است　　نظامش خام و کارش ناتمام است
غلامِ فقرِ آن گیتی پناہم　　کہ در دینش ملوکیت حرام است

(ابھی تک دنیا میں آدمی غلامی کے شکنجوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس کا نظام برائے نام ہے اور اس کی کوئی منزل متعین نہیں ہے۔ میں رسول اللہ ﷺ جیسی عظیم شخصیت کا غلام ہوں جنہوں نے اس جہاں کو امن عطا کیا اور ایسا دین دیا جس میں بادشاہت کا کوئی وجود نہیں۔)

آپ اس ملوکیت کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے یہ درس دیتے ہیں کہ اگر جذبۂ صادق ہو تو ایک فقیر بھی اپنی ہمّت سے کام لے کر بادشاہت کو ختم کر سکتا ہے اور یہ بات بعد کے زمانے میں بالکل سچ ثابت ہوئی۔

در افتد با ملوکیت کلیمے　　فقیری ' بے کلاہے ' بے گلیمے
گہے باشد کہ بازی ہاے تقدیر　　بگیرد کارِ صرصر از نسیمے

(شہنشاہِ وقت سے ایک کلیم ٹکرا سکتا ہے۔ شہنشاہت کے مقابلہ میں ایک ننگے سر اور بغیر کمبل کے فقیر بھی آسکتا ہے۔ کئی بار ایسا ہوا ہے کہ تقدیر کے کھیل نے بادِ نسیم کے نرم نرم جھونکوں کو طوفانوں کا روپ دے دیا ہے۔)

آپ جن فقیروں کا ذکر کرتے ہیں انہیں اپنے اصل کی جانب لوٹنے کا اشارہ فرماتے ہیں

فقیراں تا بمسجد صف کشیدند　　گریبانِ شہنشاہاں دریدند
چو آں آتش درونِ سینہ افسرد　　مسلماناں بدرگاہاں خزیدند!

(جب فقیروں نے مسجدوں میں صفیں باندھی تھیں تو انہوں نے دین مبین کے صحیح جذبہ سے سرشار ہو کر شہنشاہوں کے گریبان پھاڑ کے رکھ دیئے تھے ' لیکن جب دینی حمیت کی یہ آگ سینوں میں بجھنے لگی تو وہ آہستہ آہستہ خانقاہوں میں دبک کر گوشہ نشین ہو گئے۔)

یعنی یہ لوگ حالات و واقعات سے لاتعلق ہو گئے اور شہنشاہیت کو عوام پر مسلط ہونے کا موقع مل گیا۔

ایک بار پھر آپ کو اسی روایتی فقرو مستی اور جذب و حال میں سرشار درویش ایک

نئے دور کے تقاضوں کے خلاف نظر آرہے تھے۔ آپ مراقبہ ہائے خلوت اور گردشِ غار و کوہ کی بجائے ان فقیروں اور درویشوں کو استغناء اور تقویٰ کا درس دے رہے تھے جن کا عمل' جرأت اور ہمت کی خوبیوں سے مالامال فقرِ غیور اسلام کے ابتدائی ایام کی یاد تازہ کردے جب مسلمان آئین جہانداری و جہانبانی کے امین بن کر قیصرو کسریٰ سے ٹکرا گئے تھے۔

چوں بکمال می رسد فقرِ دلیلِ خسروی است مسندِ کیقباد را در تہِ بوریا طلب

(جب فقر پختہ ہو کر اپنے کمال تک پہنچ جاتا ہے تو یہی فقر ایران کی حکومت یعنی خسرو نوشیروان یا خسرو پرویز جیسی سلطنت کی دلیل بن جاتا ہے۔ کیقباد جیسے عظیم اساطیری دور کے ایرانی بادشاہ کا اگر تخت تلاش کرنا ہو تو ایسے ہی اہل فقر کے بوریے کے نیچے سے مل سکتا ہے۔)

یہاں آپ کی مُراد یہی ہے کہ اگر خود کو صفائے قلب و رُوح کے مراحل سے گزارتے ہوئے خدا کی رضا حاصل کرلی جائے تو پھر جبر و استبداد کے بند آنکھوں میں جچتے ہی نہیں۔ انسان غیرت و حمیت کی دولت سے مالامال ہو کر ان سے ٹکرا جاتا ہے اور پھر ایک وہ وقت آجاتا ہے جب یہ تخت و تاج حقیر پتھروں کی طرح اس کے قدموں میں لڑھکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ درحقیقت آپ نے بادشاہت کے خلاف تحریک اور عظیم انقلاب کی پیش بینی فرماتے ہوئے اس کے صحیح راستے کا تعین فرمادیا تھا۔ آپ کا خیال تھا کہ ایسا انقلاب برپا کرنے والے لوگ درویش طبع اور راسخ العقیدہ مسلمان ہوں گے جنہیں مال و متاع کے حصول کی بجائے خدا کی خوشنودی عزیز ہو گی۔ آپ نے علمِ دین اور علمِ عصرِ حاضر کے حصول کو ابتدائی شرط تو قرار دیا ہی تھا مگر اس کے بعد آپ نے مستی و سوز اور جذبِ دروں کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے اس امر کی جانب اشارہ فرمایا کہ زندگی صرف کتابی معلومات کے سہارے نہیں گزر سکتی بلکہ علمِ قرآن اور علمِ عصرِ حاضر سے گوہرہائے یکتا کو جمع کرکے انہیں دل میں سمو لینے سے ہی انسان کندن بن سکتا ہے۔ امام فخرالدین رازی کی تفاسیر پڑھ لینا ہی کافی نہیں اور ان کے استدلال پر اکتفا کرلینا بھی خامی کی علامت ہے۔ یہ سب کچھ سیکھ کر انسان قرآن کے رموز و آیات کو اپنے اوپر طاری کرلے اور پھر صاحب قرآن بن کر' خدا کے احکامات کا مجسّم بن کر عصرِ حاضر کے ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کی سکت حاصل کرے۔

ز رازی حکمتِ قرآن بیاموز چراغے از چراغِ اُو بر افروز
ولی ایں نکتہ را از من فراگیر کہ نتواں زیستن بے مستی و سوز

(امام فخرالدین رازی سے قرآن پاک کی حکمت و دانائی کو سیکھ لے اور ان کے
چراغ سے اپنا چراغ جلاتے ہوئے ان کی روشنی اور نور کا امین بن جا۔ لیکن یہ
نکتہ مجھ سے سیکھ لے کہ مستی اور سوز کے بغیر بھی جینا ناممکن ہے۔)

جہاں حکمت و دانائی اور فلسفیانہ موشگافیاں رازی پر ختم ہیں وہاں جوش و مستی آپ کو مولانا جلال الدین رومی کے ہاں ملتی ہے۔ جلال الدین رومی ایران معاصر میں مولوی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ آپ کے ہاں فقر غیور اور جذبہ ایمانی کی فراوانی ملتی ہے۔ علامہ اقبال نے ہر قدم پر مولانا روم کی پیروی کو شعار بنایا ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر تو شاید اس جگہ ممکن نہ ہو، ہم صرف ایک رباعی پر اکتفا کرتے ہیں جس میں اقبال فرماتے ہیں ؎

چو رومی در حرم دادم اذاں من ازو آموختم اسرارِ جاں من
بدورِ فتنۂ عصرِ کہن او بدورِ فتنۂ عصرِ رواں من

(رومیؒ کی طرح مَیں نے حرم میں اذان دی ہے اور میں نے وہ راز جن کا رُوح
کی گہرائیوں سے تعلق ہے مولانا رومی ہی سے سیکھے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ
وہ گزشتہ دور کے فتنہ و فساد کے عینی شاہد ہیں اور میں اس عہد کے فتنہ کا چشم دید
گواہ ہوں۔)

یہاں یہ یاد رہے کہ مولانا روم کا دور چنگیز خان کے استیلاء سے ذرا بعد کا اور ہلاکو کے فتنہ اور قتل و غارت کا دور تھا۔ مولانا رومؒ (۶۰۴ھ تا ۶۷۲ھ) نے شمالی خراسان (موجودہ افغانستان) کے شہر بلخ سے اُٹھ کر ایران سے گزرتے ہوئے فتنہ و فساد کے مراکز سے بہت دُور ترکی کے شہر قونیہ میں زندگی گزار دی تھی اور آپ نے اپنے ابتدائی دور میں اور دورانِ سفر ملت اسلامیہ کی مایوسی اور تباہ حالی کا مشاہدہ فرمایا تھا۔ آپ نے یہ دیکھا تھا کہ اسلامی سلطنت کے انقراض کے بعد مسلمانوں میں یاس و الم کے سبب ایک سکوت سا طاری ہو گیا تھا اور مسلمان جہد و ہمت کی بجائے خانقاہوں کے کونوں کھدروں سے سکون تلاش کر رہے تھے۔ آپ نے اپنے دور میں مسلمانوں میں حریت کی رُوح بیدار کرنے کی کوشش فرمائی تھی اور اس بات کا درس دیا تھا ؎

مصلحت در دینِ عیسیٰؑ غار و کوہ مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی مصلحت دنیا کے ہنگاموں سے دور پہاڑوں اور غاروں میں چلّے کاٹنے میں ہو سکتی ہے لیکن ہمارے دین کی مصلحت لڑ کر شان و شوکت اور جلال کے حصول میں ہے۔)

علامہ اقبال کے ہاں ہمیں اسی شعر کی بازگشت یوں ملتی ہے ؎

زندگی او را فرارِ غار و کوہ زندگی ما را ز مرگِ با شکوہ

(اس کے ہاں زندگی دنیا کے ہنگاموں سے فرار ہو کر پہاڑوں اور غاروں میں گھس جانے میں تھی، لیکن ہمارے ہاں زندگی سے مُراد جدوجہد اور جہاد کرتے ہوئے شان و شوکت کے ساتھ مرجانے، یعنی شہید ہونے میں ہے۔)

یہی وجہ ہے کہ آپ کو ٹیپو سلطان سے خاص محبت ہے۔ المختصر یہ کہ علامہ نے ہمیں رومی کے مطالعہ اور ان کا جوش درون اپنی رُوح میں سمیٹنے کا درس دیا ہے۔ ؎

بکامِ خود دگر آں کہنہ می ریز کہ با جامش نیرزد ملکِ پرویز
ز اشعارِ جلال الدین رومی بہ دیوارِ حریمِ دل بیاویز

(اس شرابِ کہن یعنی سوز و مستی کے چند گھونٹ پی لو جس کے ایک جام کی قیمت خسرو پرویز جیسے شہنشاہ کی تمام بادشاہی سے بڑھ کر ہے۔ مولانا جلال الدین رومی کے اشعار کی برکت سے آپ دل کی دنیا کی متاعِ پنہاں حاصل کر کے خود دل یعنی رُوح کو حرم کی دیوار کے ساتھ لٹکالیں)۔

یاد رہے کہ خسرو پرویز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاصر وہی مشہور ایرانی بادشاہ تھا جس کو آپؐ نے ایک تاریخی خط کے ذریعہ اسلام کی دعوت دی تھی۔ اور یہی وہ بادشاہ تھا جس نے سلطنت روم کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی تھی اور اس کی فتح ہی کے موقع پر سورۂ روم نازل ہوئی تھی۔ یہاں ایک بار پھر علامہ اقبال نے جوش و مستی کے حصول کو بادشاہت سے ٹکرانے کی پہلی ضرورت قرار دیا ہے۔ اسی نکتے کی جانب آپ نے ایک بار پھر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے ؎

بیا ساقی بگرداں جامِ مَے را ز می سوزندہ تر کن سوزِ نَے را
دگر آں دل بنہ در سینۂ من کہ تمہم پنجۂ کاؤس و کَے را!

(اے ساقی آ اور جامِ مے یعنی سوز و مستی کی کیفیت کو حرکت میں لا۔ اس کیفیت کے سوز کو شراب کے سوز سے زیادہ پُر سوز اور پُر جوش کر دے۔ اس کے باعث

میرے سینے میں وہ دل رکھ دے کہ جس کی طاقت سے میں قدیم ایران کے اساطیری عہد کے شہنشاہوں کیکاؤس' کیقباد' کیخسرو اور کیانی عہد کے دوسرے بادشاہوں سے پنجہ آزما ہو جاؤں۔)

یہاں بادشاہوں سے مُراد ہر عہد کے وہ فرعون اور صاحب جاہ و حشم بادشاہ مُراد ہیں جو اپنے جلال اور ہیبت کا نفسیاتی تاثر پیدا کر کے لوگوں کے دلوں میں غلامی کا رعب طاری کر دیں۔ علامہ اقبال نے اسی تاثر اور خوف کو زائل کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہونے کو کہا ہے کہ وہ ایک سجدہ تمہیں ان ہزار سجدوں سے نجات ولا دے گا جو تم بادشاہوں کے درباروں اور غیر اللہ کے حضور کرتے ہو۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی (شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ) نے اسی سجدے کے زیر اثر دربار جہانگیری میں سجدے سے انکار کر دیا تھا۔ پورے خشوع و خضوع کے ساتھ خدا کے حضور سر جھکانے کے بعد انسان کو دنیا کے بادشاہوں کی قدر و منزلت کا پتہ چل جاتا ہے اور پھر یہ تخت و تاج اس کی نظر میں بے مایہ ہو جاتے ہیں ؎

مسلمانیم و آزادِ مکانیم ۔ بروں از حلقۂ نُہ آسمانیم
بما آموختند آن سجدہ کز وے ۔ بہای ہر خداوندی بدانیم

(ہم مسلمان ہیں اور ہر مکان یعنی غلامی اور استبداد کے تمام تر مظاہر اور نشانات کے اثرات آزاد ہیں اور ہماری آزادی تمام دنیاوی حدود و قیود سے بالاتر ہے اور نو آسمان بھی ہمیں اپنی حدود و قیود میں بند نہیں رکھ سکتے۔ ہمیں خدا کے حضور وہ سجدہ کرنا سکھا دیا گیا ہے جس کی لذت نے ہماری آنکھوں کے سامنے تمام بادشاہوں کی حقیقت واضح کر دی ہے۔)

یہاں یہ بیان کرنا دلچسپی کے لئے ضروری ہے کہ جب ایران کا آخری بادشاہ محمد رضا شاہ پہلوی ۱۹۵۰ء میں لاہور آیا تو اس نے حضرت علامہ اقبال کے مزار پر حاضری دی اور دُعا مانگی۔ مزار کی عمارت کی چھت پر آپ کی ایک مشہور فارسی غزل تحریر ہے جس کے آخری شعر پر جب شاہ کی نگاہ پڑی تو اس کے چہرے پر اضمحلال اور رنج و ملال کے آثار نمودار ہو گئے۔ اس واقعے کے عینی شاہد ایران کے اس وقت کے ملک الشعراء جناب صادق سرمد تھے جنہوں نے یہ واقعہ بعد میں میرے استاد جناب ڈاکٹر عرفانی مرحوم کو بتایا۔ وہ شعر یوں ہے کہ ؎

درآ بسجدہ و یاری ز خسرواں مطلب　　کہ روزِ فقر نیاگانِ ما چنیں کردند

(خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤ اور بادشاہوں سے خیر کی توقع مت کرو کیونکہ ہمارے اسلاف نے اپنے فقر و مستی میں صرف خدا کو ہی سجدہ کیا ہے۔)

اس شعر نے شاہ کے دل میں وہ کیفیت پیدا کر دی جس نے اسے بیخ پا کر کے رکھ دیا۔ شاہ کو اُس وقت کیا علم تھا کہ اقبال کے دیگر افکار و اشعار ایک دن اس کے خلاف اٹھنے والی فیصلہ کن تحریک کا محرک بن کر جوانوں کے دلوں میں ان کے اسلاف کی آگ روشن کر رہے ہوں گے۔ آپ نے ایک اور موقع پر فرمایا تھا۔ ؎

دل بحق بند و کشادی ز سلاطین مطلب　　کہ جبیں بر درِ ایں بتکدہ سودن نتوان

(خدا سے اپنے دل کو وابستہ کر لو اور سلطانوں سے رزق اور مراعات کی توقع مت رکھو۔ ان کے دربار بت خانے ہیں اور ان پر اپنی پیشانیوں کو مت رگڑو۔)

اقبال تو بادشاہت کو بھی شرک قرار دیتے تھے ع "لاسلاطیں 'لاملوک ولاالہٰ" کا پیغام دیتے ہوئے آپ ان بتانِ عصر سے ٹکرانے کی تلقین کرتے تھے۔ آپ کے ہاں "الملک لِلّٰہ" کے مصداق بادشاہت بھی خداوند تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ اس طرح فرعون اور نمرود کی طرح جو انسان خود کو اس صفت سے متصف کرتے تھے وہ اور ان کی بادشاہت کو تسلیم کرنے والے لوگ شرک کے مرتکب ہوتے تھے۔ آپ نے ارمغانِ حجاز میں حضورِ رسالتؐ میں عرض کرتے ہوئے کہا ہے ؎

گہے افتم ' گہے مستانہ خیزم　　چہ خوں بے تیغ و شمشیرے بریزم
نگاہِ التفاتے بر سرِ بام　　کہ من با عصرِ خویش اندر ستیزم!

(کبھی میں گرتا ہوں اور کبھی مستانوں کی طرح اٹھ کھڑا ہوتا ہوں۔ میں بغیر کسی تلوار اور خنجر کے ایک خونیں جنگ لڑ رہا ہوں۔ آنحضور ﷺ کی نظرِ التفات کا امیدوار ہوں کیونکہ میں آپ کی سُنّت کی پیروی میں اپنے دَور کے تمام ہنگاموں کے خلاف جہاد کر رہا ہوں۔)

علامہ اقبال آہستہ آہستہ فقیروں ' درمندوں ' غلاموں اور ظلم و استبداد کے شکار اہلِ مشرق کو فقر و استغناء کا درس دیتے ہوئے جوش و مستی سے روشناس کروا رہے تھے اور مستقبل میں اسلام کے غلبہ کے لئے آپ کی نگاہیں اہلِ عجم اور خصوصاً اہلِ ایران پر لگی ہوئی تھیں۔ آپ اس سرزمین سے اسلام کے احیاء ' شہنشاہیت کے خاتمے اور ایک

عظیم انقلاب کی راہ دیکھ رہے تھے۔ آپ کو اپنی صدا اہلِ ایران کی صدا محسوس ہو رہی تھی۔ آپ تہران کو اقوامِ مشرق کے مرکز یعنی جنیوا کے طور پر دیکھ رہے تھے۔ آپ آب و گلِ ایران اور تبریز سے کسی رومی کے اُٹھنے کے منتظر تھے۔ آپ فرمار ہے تھے ؎

تنم گلے ز خیابانِ جنّتِ کشمیر　　دل از حریم حجاز و نوا ز شیراز است

(میرا جسم کشمیر کے جنت جیسے باغ کی کیاری کا ایک پھول ہے۔ میرا دل حجاز کے حرم سے ہے تو میری آواز شیراز سے ہے۔)

یہاں آپ حرم کے سوز و مستی کو شیراز کی آواز میں بیان فرمار ہے تھے ؎

رہِ عراق و خراسان زن اے مقام شناس　　بہ بزمِ اعجمیاں تازہ کن غزل خوانی

(اے منزل پر رکے ہوئے مسافر! عراق اور خراسان کی جانب چل پڑ۔ یعنی سبک عراقی اور سبک خراسانی میں شعر کہتے ہوئے ایرانیوں کی محفل میں غزل چھیڑ دے۔)

ظلم و استبداد پر مبنی سامراجی نظام جو اُن دنوں روسی اور فرنگی غلبے کے باعث ایران پر مسلط تھا اس نے ایرانیوں کے ملی، روحانی اور مذہبی تشخص کا خاتمہ کر دیا تھا۔ جہاں بدترین شخصی شاہی نظام عوام کی رگوں سے خون کے آخری قطرے کو نچوڑ رہا تھا، جہاں عام انسان کی زندگی جانوروں سے بدتر تھی، جہاں مذہب کے مقدس نام پر مخصوص قسم کی کلیسائی ظلم و بربریت کا دَور دورہ تھا اور بقول حضرت آیت اللہ طالقانی مذہب کا جو رُخ عوام کو دکھایا جا رہا تھا اس کے باعث نوجوانوں کے دلوں میں مذہب کی کشش آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔ اقبال کو اس پر شدید رنج و ملال تھا۔ آپ نے ایک بار واضح انداز میں اس انحطاط کا ذکر کرتے ہوئے ایک راہِ عمل کا تعین کیا جس کی رہنمائی کے لئے آپ نے قرآن پاک کی اصل تعلیمات کی جانب رجوع کرنے کو کہا۔ آپ نے فقر کا ذکر کرتے ہوئے کہا ؎

فقرِ خیبر گیر با نانِ شعیر　　بستۂ فتراکِ اُو سلطان و میر

(جو کی روٹی کھا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ فقر کی بدولت قلعہ خیبر فتح کر لیتے ہیں۔ فقر کے پھندے میں سلطان اور امیر آجاتے ہیں۔)

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست　　ما امینیم ایں متاعِ مصطفیٰ است

(فقر ذوق و شوق اور تسلیم و رضا کا نام ہے۔ ہم اس کے امانت دار ہیں اور

درحقیقت یہ آنحضور ﷺ کا سرمایہ ہے۔)

با سلاطیں در فتد مردِ فقیر   از شکوہِ بوریا لرزد سریر

(ایک فقیر آدمی سلطانوں سے ٹکرا جاتا ہے اور فقیروں کے بوریا کی ہیبت تخت شاہی پہ لرزہ طاری کردیتی ہے۔)

قلبِ او را قوت از جذب و سلوک   پیشِ سلطان نعرۂ اُو لا ملوک

(اس کے دل کی طاقت جذب اور سلوک ہے اور بادشاہوں کے دربار میں وہ توحید کا پیغام دیتے ہوئے لاملوک یعنی "خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہے" کا نعرہ لگادیتا ہے۔)

فقر را تا ذوقِ عریانی نماند   آن جلال اندر مسلمانی نماند

(جب سے فقر میں اپنے اظہار کا جذبہ باقی نہیں رہا مسلمانوں کا جاہ و جلال مٹ کر رہ گیا ہے۔)

فقرِ عریاں گرمیِ بدر و حنین   فقرِ عریاں بانگِ تکبیرِ حسینؓ

(فقر کا اظہار غزوۂ بدر اور غزوۂ حنین کی گرمی کی شکل میں ہوتا ہے یا پھر حضرت امام حسینؓ کے سرزمینِ کربلا میں بلند ہونے والے نعرۂ تکبیر سے۔)

از سہ قرن این امتِ خوار و زبوں   زندہ بے سوز و سرورِ اندروں

(گزشتہ تین صدیوں سے اُمّتِ محمدیؐ ذلیل و خوار ہو رہی ہے اور اندرونی سوز و سرور کے بغیر جی رہی ہے۔)

پست فکر و دُوں نہاد و کور ذوق   مکتب و مُلّائے او محرومِ شوق

(اس کی سوچ پست ہو چکی ہے، فطرت کمینگی کی طرف مائل ہے اور ذوق اندھا ہو چکا ہے۔ اس کے تعلیمی ادارے اور مذہبی رہنما یعنی ملا شوق سے محروم ہیں۔)

طبعِ اُو بے صحبتِ مردِ خبیر   خستہ و افسردہ و حق نا پذیر

(اس کی طبیعت کا میلان کسی باخبر انسان کی صحبت کی جانب مائل نہیں ہوتا۔ یہ امت تھک چکی ہے، پریشان حال ہے اور حق بات کو قبول کرنے سے اجتناب کر رہی ہے۔)

من نہ مُلّا نے فقیہِ نکتہ ور   نے مرا از فقر و درویشی خبر

(میں نہ تو ملا ہوں اور نہ ہی نکتہ ور قسم کا فقیہ ہوں اور نہ ہی مجھے فقر اور درویشی کا چنداں علم ہے۔)

در رہِ دیں تیز بین و سست گام　　پختہ من خام و کارم ناتمام
(میں دین کے معاملات کو آسانی اور تیزی سے سمجھ تو لیتا ہوں مگر اس کی راہ پر اپنی سستی کے باعث آہستہ آہستہ چل رہا ہوں۔ میں جسے پختہ سمجھتا ہوں میری وہ فکر بھی خام ہے اور میں اپنے افکار کے جو نقوش آپ کو پیش کرتا ہوں وہ بھی ابھی تشنۂ تکمیل ہیں۔)

لیکن اس کے باوجود ؎

تا دلِ پُر اضطرابم دادہ اند　　یک گرہ از صد گرہ بکشادہ اند
(چونکہ مجھے خداوند تعالیٰ کی طرف سے اضطراب اور بے چینی سے مالا مال ایک دل نصیب ہوا ہے اس لئے میرے سو عقدوں میں سے ایک عقدہ کھل گیا ہے۔)

اور مجھ پر کچھ نہ کچھ اسلام کی حقانیت اور ابدی سچائی کی حقیقت واضح ہو چکی ہے ؎

از تب و تابم نصیبِ خود بگیر　　بعد ازیں ناید چو من مردِ فقیر
(میری تب و تاب سے فیض حاصل کر لو، کیونکہ ممکن ہے کوئی میرے جیسا فقیر شخص شاید پھر کبھی بھی پیدا نہ ہو سکے)

پھر آپ نے عصر حاضر کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے ظلم و استبداد کے اس نظام کو (جو اس دور میں مسلمانوں پر مسلط تھا) پوری شدت سے رد کرتے ہوئے صحیح اسلامی افکار کی جانب توجہ دلائی اور فرمایا کہ اب آپ خانقاہوں اور پناہ گاہوں سے باہر نکل آئیں اور قرآن پاک کے رموز کو فاش کرتے ہو ایک نئے اور دیرپا اسلامی انقلاب کی تیاری کریں۔
ایران اور برصغیر کے مسلمانوں کی حالت زار کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا ؎

از ضعیفاں ناں ربودن حکمت است　　از تنِ شاں جاں ربودن حکمت است
(کمزوروں یعنی مستضعفین سے روٹی کے نوالے تک چھین لینے کو آج کی دنیا میں دانائی کا نام دیا جا رہا ہے۔ ان کے جسموں سے خون کے آخری قطرے نچوڑ کر انہیں زندگی سے محروم کر دینے کو حکمت کہا جا رہا ہے۔)

شیوۂ تہذیبِ نو آدم دری است　　پردۂ آدم دری سوداگری است
(نئی تہذیب کا شیوہ تو قوموں کا قتل عام ہے اور انسانیت کے قتل عام کے پردے میں سوداگری ہو رہی ہے۔)

تا تہ و بالا نگردد ایں نظام　　دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

(جب تک یہ استبدادی نظام تہ و بالا نہیں ہو جاتا اُس وقت تک تہذیب' دانش اور دین کی جو صورت مذہبی رہنما پیش کر رہے ہیں وہ سب ایک واہمے سے زیادہ نہیں ہے۔)

تختِ جم پوشیدہ زیرِ بوریاست　　فقر و شاہی از مقاماتِ رضاست

(اللہ کی رضا حاصل کرنے سے ہی فقیری ملتی ہے اور وہی فقیری بادشاہت سے برتر ہے۔ دراصل اہل فقر کے بوریے کے نیچے ایران کے اساطیری عہد کے عظیم بادشاہ جمشید کا تخت بھی چھپا ہوا ہے۔)

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم　　تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم

(اے کہ تجھے قرآن پاک پر ناز ہے' تُو کب تک خانقاہوں اور حجروں میں مقید ہو کر اپنے حال میں مست پڑا رہے گا؟)

در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن　　نکتہ ء شرعِ مبیں را فاش کن

(اس دنیا میں دین کے تمام پوشیدہ رازوں کو فاش کر دے اور شرعِ مبین کے باریک نکتوں کو دنیا پر روشن کر دے۔)

مکتب و مُلّا سخن ہا ساختند　　مؤمناں ایں نکتہ را نشناختند

(آج تک دینی مدرسوں اور علماء کی محفلوں میں بے شمار عالمانہ باتیں ہوتی رہی ہیں لیکن ان تمام علمی مباحث کے باوجود مومنوں کی نظر سے یہ اصلی نکتہ چھپا رہا ہے۔)

اگر مندرجہ بالا اشعار پر غور فرمایا جائے تو ایران کے اسلامی انقلاب کی تمام تر تاریخ آپ کی نگاہوں کے سامنے خود بخود گھوم جاتی ہے۔ اسی لئے تو آیت اللہ علی خامنائی نے فرمایا ہے کہ ایران کا انقلاب اقبال کے اسلامی افکار کا ہی مرہون منت ہے۔ آپ کے انہی افکار کی روشنی میں ڈاکٹر علی شریعتی اور آیت اللہ طالقانی کے دیئے جانے والے دو لیکچر ہیں جنہوں نے ایران میں انقلاب کی رُوح بیدار کر دی اور علمائے حق حجروں سے نکل کر میدانِ عمل میں اُتر آئے۔

علامہ اقبال کے دور ہی میں انگریز برّصغیر پر اپنا اقتدار مستحکم کرنے کے بعد جنوبی اور مغربی ایران میں بن بلائے مہمان کی طرح گھس بیٹھے تھے اور انگریزی تہذیب و ثقافت ایران میں شاہی سرپرستی میں مقبول ہوتی جارہی تھی۔ اہل ایران کا خود اپنے اوپر اعتماد

اٹھ چکا تھا اور وہ اپنے تئیں مجبورِ محض تصور کرنے لگ گئے تھے۔ کامیابی اور ترقی کا راز اہل مغرب کی اندھی تقلید میں مضمر سمجھا جا رہا تھا۔ ایسے میں آپ نے فرمایا ؎

اے اسیرِ رنگ پاک از رنگ شو   مؤمنِ خود کافرِ افرنگ شو
(اے رنگ و نسل کے اسیر! ان چکروں سے باہر نکل آ۔ افرنگی تہذیب کا انکار کرتے ہوئے اپنے آپ کو پہچان لے۔)

رشتۂ سود و زیاں در دست نیست   آبروئے خاوراں در دست نیست
(تمہارے ہاتھوں سے سود و زیاں کا کنٹرول چھن چکا ہے اور خاوراں یعنی مشرق کی آبرو چھن چکی ہے۔)

یہ نکتہ یہاں اہم ہے کہ خاوران کبھی کبھی ماضیٔ قدیم میں خراسان کو بھی کہا جاتا تھا اور فارسی گو خطہ خراسان وہی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے احیائے اسلام کے ابتدائی مرکز ہونے کی پیشین گوئی فرمائی تھی ؎

ایں کہن اقوام را شیرازہ بند   رایتِ صدق و صفا را کن بلند
(ان قدیم اقوام کو ایک اتحاد میں جمع کرنے والے اے مشرقی انسان تو آخر کار سچائی اور صفا کے علم کو بلند کر دے۔)

اہلِ حق را زندگی از قوت است   قوتِ ہر ملّت از جمعیت است
(حق والوں کی زندگی دینی' روحانی اور سیاسی غلبے اور بین الاقوامی قوت میں موجود ہے اور ہر قوم کی قوت کا دارومدار اس کے عوام کے باہمی اتحاد میں مضمر ہے۔)

رای بے قوت ہمہ مکر و فسوں   قوتِ بے رای جہل است و جنوں
(وہ رائے جس کے ساتھ قوت شامل نہ ہو یعنی وہ فقہی اصول یا قوانین جن پر عمل درآمد نہ کرایا جاسکے وہ صرف مکر و فسوں یعنی نظروں کا دھوکا بن کے رہ جاتے ہیں اور اگر ایسی قوت حاصل ہو جائے جس کے ساتھ قوانین اور اصولوں کی پاسداری کے دساتیر نہ ہوں وہ بھی اندھی جہالت اور دیوانگی کو جنم دیتی ہے۔)

اے امینِ دولتِ تہذیب و دیں   آن یدِ بیضا برآر از آستیں
(اے تہذیب اور دین کی دولت کے امانت دار! اپنی آستین سے یدِ بیضا نکال کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آج تو عصر حاضر کے فرعون کے دربار کی تاریکیوں میں

روشنی کا اظہار کر دے یعنی حق کا اعلان کر دے۔)

خیز و از کارِ امم بکشا گرہ نشّۂ افرنگ را از سر بنہ

(اٹھو اور قوموں کی مشکلات کا ایک واضح حل پیش کرو اور انگریزوں کی تہذیب کا نشہ اپنے دماغ سے اُتار دو۔)

نقشے از جمعیتِ خاور فگن واستاں خود را زدستِ اہرمن

(ایک دفعہ پھر مشرقی اقوام یعنی ایشیائی مسلمانوں کے عزم و ہمت کے نشانات جہان پر واضح کر دو اور خود کو اہرمن یعنی شیطان کے پنجے سے رہا کروالو۔)

دراصل قبل از اسلام کے ایران میں خدائے بدی کو "اہرمن" کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد فارسی ادب میں اہرمن کی اصطلاح باقی رہ گئی اور یہ ابلیس کے لئے استعمال ہونے لگی۔ ابلیس تو راندۂ درگاہ ہے مگر اہرمن کو تمام تر برائیوں کے مظہر کے طور پر ایک انتہائی جاندار شخصیت کے روپ میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ مشرقی مفکرین خصوصاً علامہ اقبال کے افکار میں اہرمن کا تصور بہت واضح نظر آتا ہے اور اس کی تمام تر قوتوں سے ٹکرانے کی تلقین کی جاتی ہے۔ (جاری ہے)

بقیہ : احکامِ ستر و حجاب

کے رسول ﷺ کی بیویوں اور بیٹیوں کی تقلید چھوڑ کر گوروں کی بے حیاء لیڈیز کی تقلید اپنا رکھی ہے اور بے پردہ ہو کر بے حیائی کے ساتھ بازاروں میں گھومنے پھرنے میں فخر سمجھتی ہیں اور شرعی پردے پر عمل کرنے والی خواتین کو فرسودہ خیالات کی حامل سمجھ کر ان پر جہالت کی پھبتی چست کرتی ہیں۔ بلکہ سازش کے تحت ٹی وی پر پڑھی لکھی خواتین کو ننگے سر اور مخلوط معاشرے کا حصہ اور ان پڑھ جاہل خواتین کو دوپٹہ اور چادر میں لپٹا ہوا دکھایا جاتا ہے۔

ضرورت رشتہ

قریشی فیملی سے تعلق رکھنے والی ۳۰ سالہ بچی' ایم ایس سی ایم فل' شعبہ تدریس سے وابستہ' ماڈل ٹاؤن کی رہائشی کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ کم از کم ایم ایس سی لیکچرر بلا تفریق ذات پات موزوں رشتہ درکار ہے۔

رابطہ : سردار اعوان 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700 فون : 03-5869501

گوشہ خواتین

اسلام میں عورت کامقام

بیگم صغریٰ خاکوانی' ملتان

قرآن کریم میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا ہے :

﴿ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴾ (الضحٰی : ١١)

"اور تمہارے رب نے تم پر جو جو انعام واکرام کیے ہیں ان کا تذکرہ کرو!"

اس آیت کے پیش نظر مجھ عورت ذات پر مالک کائنات نے انعام واحسان کی جو بارش کی ہے اس کے شکر کے لئے تو اک عمر تھوڑی ہے' البتہ اس کے ذکر کے لئے عالمِ نسواں کے نمائندے کے طور پر تحدیثِ نعمت کر رہی ہوں۔

اسلام نے عورتوں کو جو حقوق عطا کیے ہیں ان کی فہرست گو بہت طویل ہے تاہم ان میں سے سب سے پہلا اور اہم ترین حق جو عورت کو ملا وہ زندہ رہنے کا حق تھا۔ اسلام نے عورت کے وجود کو نہ صرف خود تسلیم کیا' بلکہ ساری دنیا سے تسلیم کرایا۔ اسلام سے پہلے صرف عرب کی صورتحال کیا تھی' قرآن مجید میں اس کا نقشہ بایں الفاظ کھینچا گیا ہے :

﴿ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ○ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ط اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ط اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ ﴾ (النحل : ٥٨'٥٩)

"جب ان میں سے کسی ایک کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی تو اس کا چہرہ غصے سے سیاہ پڑ جاتا اور وہ غصے کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔ اس خوشخبری کے رنج سے وہ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا (نہ سمجھ پاتا) آیا ذلت اٹھا کر اس کو اپنے پاس رہنے دے یا پھر اس کو مٹی میں دبا آئے۔ سنو' کتنا بُرا فیصلہ کرتے تھے وہ!"

گویا عورت ذات ذِلّت و پستی کے اس مقام پر تھی جہاں والد جیسا شفیق سہارا بھی اس کی جان کا دشمن بن جاتا اور اسے صحرا کی وسعتوں میں زندہ گاڑ آتا۔ اللہ ربّ العزت کو عورت کے ساتھ روا رکھی گئی ان زیادتیوں کا پورا پورا احساس ہے۔ چنانچہ قرآن مجید

میں فرمایا :

﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ○ ﴾ (التکویر : ۸'۹)

"اور جب (قیامت کے دن) زندہ دفن کی گئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ آخر کس گناہ کی پاداش میں اسے قتل کیا گیا"۔

ہادیٔ اسلام ﷺ کے سامنے جب ایک صحابیؓ نے زمانہ جاہلیت میں اپنی بیٹی کو زندہ دفن کر دینے کا واقعہ بیان کیا تو صرف واقعہ سن کر اُس ذاتِ رحمت ﷺ پر اس قدر رِقّت طاری ہوئی کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ نہ جانے وہ کیسے درندہ صفت لوگ تھے جو یہ سب کچھ اپنے ہاتھوں کر گزرتے۔ حدیث کی کتابوں میں یہ فرمانِ نبوی موجود ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلا مقدمہ زندہ درگور کی جانے والی بچی کا پیش ہو گا۔

جو بدنصیب بچیاں زندہ درگور ہونے سے بچ نکلتیں پھر ان کی زندگی عذابِ مسلسل کا نمونہ ہوتی۔ اہمیت تو بڑی بات ہے' عورت کی کوئی عزت اور وقعت نہ تھی۔ اسلام نے عورت ذات کو نہ صرف زندگی بخشی بلکہ معاشرے میں عزت و وقار دے کر زندگی کا لطف دوبالا کر دیا۔ ہادیٔ اسلام ﷺ نے اپنے عمل سے یہ بتایا کہ بیٹی کس قدر پیاری اور معصوم مخلوق ہوتی ہے۔ آپؐ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے از حد محبت فرماتے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو آتا دیکھ کر کھڑے ہو جاتے' سر پر دستِ شفقت پھیر کر اپنی جگہ بٹھاتے۔ حضور ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے :

((مَنِ ابْتُلِیَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ))

"جو شخص بیٹیاں دے کر آزمایا گیا' اس نے ان بچیوں سے محبت کا سلوک کیا تو وہ بچیاں جہنم کی آگ اور اس شخص کے درمیان پردہ (آڑ) بن جائیں گی"۔

اسلام یوں تو تمام دنیا والوں کے لئے امن اور سلامتی کا پیغام تھا لیکن انسانیت کے مجبور و کمزور طبقوں کے لئے خاص طور پر باعثِ رحمت ثابت ہوا۔ یہ مجبور لوگ غلام اور کمزور مخلوق عورت کی ذات تھی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے جو خطبہ دیا وہ پوری انسانیت کے لئے منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں غلاموں کے تذکرہ کے بعد عورتوں کے متعلق آپؐ نے انتہائی دلسوزی سے فرمایا تھا :

((اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا))

"میں تم لوگوں کو عورتوں کے بارے میں نیکی اور بھلائی کی وصیت کرتا ہوں"۔

ماں' بہن اور بیٹی کے علاوہ عورت کی ایک اہم حیثیت بیوی کی ہے۔ اسلام سے پہلے شوہر کی صورت میں مَرد اس قدر غالب تھا کہ بیوی محض اس کی باندی بن کر رہ گئی تھی۔ وہ اس سے ہر خدمت لینے کا مجاز تھا۔ اسے نہ صرف بیوی کو مارنے پیٹنے کا اختیار حاصل تھا' بلکہ وہ اسے جان تک سے مار ڈالنے کا حق دار تھا۔ اسلام نے شوہر کو بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی بیڑیاں پہنا کر اس کے وسیع اختیارات کو جائز حد تک محدود فرمادیا۔ چنانچہ شوہروں کو حکم دیا :

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾

"اور ان (بیویوں) کے ساتھ حسن اخلاق سے زندگی گزارو"۔

خود حضور نبی کریم ﷺ کا اُسوۂ حسنہ ہمارے سامنے مثال ہے۔ آپؐ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ انتہائی خوش خلقی اور محبت کا برتاؤ فرماتے اور آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی بھلائی کا معیار یہی رکھا۔ ارشاد مبارک ہے :

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ))

"تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے سب سے اچھا سلوک کرتا ہے اور میں تم سب سے زیادہ اپنے گھر والوں سے اچھا ہوں"۔

اسلام نے عورت کو نکاح کا تحفظ دیا۔ یہ ایک ایسا قلعہ ہے جس کے اندر آنے کے بعد عورت کلی طور پر محفوظ ہو گئی' نگاہِ بد سے' خیالِ بد سے' خوفِ تنہائی اور تنگیٔ معاش سے۔ نکاح تو پہلے بھی ہوتا تھا' لیکن اسلام سے پہلے عورت کی بے حیثیتی کا اس بات سے اندازہ لگائیں کہ شوہر کے مرنے پر قریب کھڑا جو سسرالی رشتہ دار اس کے سر پر پہلے چادر ڈال دیتا وہ اس کا مالک ٹھہرتا خواہ وہ اس کا سوتیلا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ تو عربوں کا حال تھا' ایرانیوں نے عورت کی بے وقعتی کی اس سے بڑھ کر مثال قائم کی تھی کہ کسریٰ ایران نے اپنی بیٹی سے شادی کر رکھی تھی۔ اسلام نے عورت کو مقام تحفظ دیا' اس کے جذبات و احساسات کی قدر کی اور اسے ان رشتے داروں کے لئے محرماتِ ابدیہ کی فہرست میں شامل کیا جن کے لئے عورت کے دل میں ہمیشہ عزت و شفقت کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔

مَردانہ تفوق کے اس معاشرے میں مَرد کو اپنی رفیقہ حیات کے انتخاب کا ہمیشہ پورا

حق اور موقع ملا ہے' جب کہ عورت کے لئے شریکِ حیات کا انتخاب تو بڑی بات ہے انتخاب کی سوچ بھی موجبِ گناہ و سزا ٹھہرتی ہے۔ حضور ﷺ نے عورت کو بھی شریکِ حیات کے انتخاب یا انکار کا پورا پورا حق دیا ہے۔ یہاں تک کہ نکاح کی قبولیت کا تمام تر انحصار و اختیار عورت کے ہاتھ میں رکھا ہے۔ البتہ عورت کے لئے ولی کی رضامندی کی محدود شرط عائد کی ہے تو وہ بھی لڑکی کے شرم و حیا اور نا تجربہ کاری کے پیش نظر محض اس کے تحفظ و تقویت کے لئے ہے' ورنہ زندگی کا ساتھی چننے میں عورت ہی کی رائے حتمی اور آخری ہے۔ مہر عورت کی قیمت ہرگز نہیں' بلکہ یہ مَرد کی جانب سے عورت کی خدمت میں خیر سگالی کے جذبات اور حسن معاشرت کے ثبوت کا پہلا تحفہ ہے۔ مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مَردوں کی شکایت پر دس ہزار درہم کی کثیر رقم تک مہر محدود رکھنے کا اعلان کیا تو اسی وقت ایک بوڑھی عورت نے اُٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر ٹوک دیا کہ "ہمارے جس حق کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے محدود نہ کیا' تم سے بہتر شخص آیا (مراد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے) اس نے یہ نہ سوچا' تم کون ہو ہمارے اس حق کو محدود کرنے والے؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اُٹھ کر تصحیح کی کہ "یہ بڑی بی ٹھیک کہتی ہے اور عمر غلطی پر ہے' ہمیشہ کی طرح عورت کے مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں"۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مہر جو عورت کے لئے مالی استحکام اور ذہنی تحفظ کا بہترین ذریعہ تھا اسے صرف ۳۲ روپوؤں تک محدود کر کے احکامِ شریعت کا مذاق اڑایا جاتا ہے یا لاکھوں روپوؤں تک مقرر کرنے کے باوجود کبھی ادا نہ کر کے حکمتِ خداوندی کو بے اثر کیا جاتا ہے۔ افراط و تفریط کی اس سے بدتر مثال شاید اور کہیں نہ ملے۔ حالانکہ مہر کی ادائیگی اس قدر ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص مقروض مرے تو اس کے ترکے سے پہلے مہر وصول کیا جائے گا' اس کے بعد قرضوں کی ادائیگی ہوگی۔ پاکستانی مَرد غالباً اس لئے بھی مہر کی ادائیگی کے بارے میں بے فکر ہو گیا ہے کہ مرنے کے بعد تو عورت وصول کر ہی لے گی' لہٰذا ابھی اتنی بھی کیا جلدی۔

مہر کے علاوہ اسلام میں عورت کو اپنے میاں سے تاحیات نان و نفقہ حاصل کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ نان و نفقہ میں خوراک' لباس اور رہائش شامل ہیں۔ یہ نان و نفقہ عورت کس حساب سے وصول کرے گی' ذاتِ باری تعالیٰ نے خود فیصلہ فرما دیا کہ

﴿ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ﴾

"صاحبِ حیثیت پر اس کی حیثیت کے پیش نظر دینا ہو گا اور غریب اپنی اوقات کے مطابق ادا کرے گا"۔

اس طرح اسلام نے عورت کو معاشی ذمہ داریوں اور معاشرتی الجھنوں سے پناہ دے کر قابل اطمینان اور باعث تسکین ازدواجی زندگی عطا کی۔

اتنے مالی تحفظ اور اس قدر حسن معاشرت کے احکامات کے باوجود بھی اگر طبیعتوں کی عدم موافقت اور خاندانی مناقشت کی وجہ سے خدانخواستہ میاں بیوی میں نباہ نہ ہو تو.. ...ایک صورت تو یہ تھی کہ دونوں چاہے ایک دوسرے کی شکل سے بے زار ہوں یا زندگی جہنم ہو جائے پھر بھی نبھائے چلے جاؤ۔ کسی بھی صاحب عقل و ہوش کے لئے یہ صورتحال ناقابل برداشت تھی۔ اسلام جو ہوشمندوں کا دین ہے' نے ناچاقی اور بدمزگی کے خاتمے کے لئے ایک دروازہ کھلا رکھا اور وہ ہے طلاق کا راستہ۔

طلاق اگرچہ اَبغضُ الحَلال ہے' مالک کی نظر میں سب سے ناپسندیدہ چیز' پھر بھی یہ وہ نشتر ہے جو گھریلو ناچاقی کا آخری علاج ہے اور بسا اوقات انتہائی مفید بھی۔ اگرچہ طلاق کا حق تمام تر مَرد کے اختیار میں ہے لیکن خلع کا اختیار عورت ذات کو دے کر اس پر بہت بڑا احسان کیا گیا کہ وہ چاہے تو ظالم شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے عدالت کی طرف رجوع کر سکتی ہے۔ اب رہی یہ شکایت کہ عورت کو طلاق کا حق کیوں نہ ملا تو یقیناً اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ساتھ ساتھ احسان بھی ہے' ورنہ عورت کی جلد بازی اور کم قوتِ برداشت کی وجہ سے نہ جانے ایک دن میں کتنی بار یہ حق استعمال ہو چکا ہوتا۔

طلاق کے بعد مطلقہ کو دوسرا نکاح کرنے کی پوری پوری آزادی دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ اب ولی کی قید بھی اُٹھا دی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ "تین باتوں میں کبھی تاخیر نہ کرنا۔ ایک نماز میں کہ وقت ہو جائے' جنازہ پڑھانے میں جب میت آجائے اور بیوہ یا مطلقہ کے نکاح میں جب رشتہ موجود ہو"۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ دو باتیں عورت کی اپنی دانست میں سبکی کا باعث بنتی چلی آرہی ہیں۔ عورتوں کو یہ گلہ ہے کہ مَردوں کو ہم سے برتر کیوں بنایا گیا؟ باہر سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عورت کو جائیداد میں مَرد سے نصف دلا کر عورت کا درجہ گھٹا دیا گیا ہے۔ آیئے'

اس الجھاؤ کو بھی آج ہی سلجھالیتے ہیں۔ یوں تو حقوق و فرائض کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ نے عورت اور مَرد کو ایک ہی درجے پر رکھا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾

"اور عورتوں کے لئے بھی اسی قدر حقوق ہیں جس قدر ان پر ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں"۔

البتہ ساتھ ہی فرمادیا :

﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (البقرۃ : ۲۲۸)

"تاہم مَردوں کو عورتوں پر ایک درجہ برتری حاصل ہے"۔

دیکھا جائے تو مَردوں کا یہ تفوق اور ایک درجہ برتری عین حق و انصاف کے مطابق ہے۔ کیونکہ مَرد ایک تو اپنی جسمانی قوت کے لحاظ سے افضل ہے۔ دوسرا وہ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرکے اپنے خلوص اور جذبہ ایثار سے برتری حاصل کرلیتا ہے۔ سورۃ النساء میں مَرد کی فوقیت کی یہی دو وجوہات بتائی گئی ہیں۔ فرمایا :

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط ﴾ (آیت ۳۴)

"مَردوں کو عورتوں کا نگران مقرر کیا جارہا ہے' ایک تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو دوسروں پر فوقیت دے دی ہے اور دوسرا یہ بھی تو ہے کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں"۔

اب آتے ہیں عورت کے مَرد کی نسبت نصف حصّے کی طرف' تو اس اعتراض کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ جس معاشرے میں عورت کی سرے سے کوئی حیثیت نہ تھی وہاں اسے ورثے اور ترکے میں شامل کرلینا ہی بڑی بات تھی' قطع نظر اس کے کہ اسے کیا مل رہا ہے ـــــ دوسرا جواز یہ ہے کہ مَرد کی قوّامیت کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے تسلیم کروایا ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے۔ اب مَرد پر تو یہ فرض ہو کہ پہلے وہ اپنی شادی کا خرچہ اُٹھائے' مہر کی رقم ادا کرے' تاحیات بیوی کا اپنی حیثیت کے مطابق نان و نفقہ برداشت کرے' اپنے بچوں' رشتہ داروں اور ہمسایوں کے حقوق ادا کرے اور ان سب پر خرچ کرتا چلا جائے۔ ادھر عورت ذات پر کوئی مالی ذمہ داری نہ ہو' بلکہ مہر کی رقم' تحفے تحائف

اور نان و نفقہ کا تسلسل اس کی آمدنی میں مزید اضافے کا باعث بن رہا ہو۔ کیا یہ قرین انصاف ہوتا کہ عورت اور مَرد کا حصّہ جائیداد میں برابر رکھا جاتا؟

کیا مَرد خدا کی مخلوق نہ تھا یا نعوذ باللہ ذاتِ باری تعالیٰ حکمت و بصیرت سے عاری تھی۔ چونکہ یہ دونوں باتیں نہیں تھیں اس لئے عورت کا مَرد سے نصف حصّہ رکھنا ہی قرین قیاس اور قریب انصاف ہے۔ اس میں شکوہ و شکایت کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی' بلکہ جتنا جتنا سوچتے جائیں دل تشکر و اطمینان کے جذبات سے بھر جاتا ہے کہ وہ عورت جو صرف مملوک تھی اسلام نے اسے حقِ ملکیت دیا' وہ جو کبھی جائیداد کا حصہ سمجھی جاتی تھی اسے ﴿ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ﴾ کہہ کر جائیداد میں حصے دار بنایا۔ اسلام نے عورت کے لئے معاش کی راہیں کھول دیں۔ اب اسے اختیار ہے کہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر جو کاروبار چاہے اختیار کر سکتی ہے' جائز طور پر جتنا چاہے کما سکتی ہے۔ وہ اپنے لئے جائیداد خرید سکتی ہے اور اپنی ملکیت کو فروخت کرنے کا پورا پورا حق رکھتی ہے۔ زندگی کی آسودگی کے تمام دروازے اس کے لئے کھلے ہیں۔

یہ تمام تو تھے دنیاوی حقوق جو اس سخی ذات نے پوری فیاضی سے عورت ذات کو عنایت کئے۔ آخرت میں جنت کا حصول بھی یہ کہہ کر عورت کے لئے آسان کر دیا کہ :

﴿ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ○ ﴾

"اور جس مَرد یا عورت نے عمل صالح کئے' بشرطیکہ ایمان والا ہو' تو ایسے لوگوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور ان پر ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہو گا"۔

بلکہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق عورت ذات کے لئے جنت کا حصول مَرد کی نسبت اور بھی آسان ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

((اِذَا صَلَّتِ الْمَرْءَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَصَّنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا دَخَلَتْ مِنَ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ))

(مسند احمد)

"جب عورت روزانہ پانچ وقت کی نماز پڑھے' رمضان بھر کے روزے رکھے' اپنی عصمت کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو وہ جنت کے جس

دروازے سے چاہے داخل ہو جائے"۔

اسلام کا عورت ذات پر ایک اور احسان یاد آرہا ہے۔ روم و یونان کی علم دوست قوموں نے جب عورتوں پر علم کے دروازے بند کر رکھے تھے اسلام نے اُس وقت اپنے مَردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو نہ صرف علم حاصل کرنے کی اجازت دی بلکہ اسے علم کے حصول کا پابند کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ)) (ابن ماجه)

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے' (خواہ وہ مرد ہو یا عورت)"۔

میں سمجھتی ہوں کہ اگر اور کوئی احسان نہ بھی ہوتا تو یہی احسان عورت کی زندگی کو حسن و حکمت دینے کے لئے کافی تھا۔

اللہ مہربان ذات ہے' جب نوازنے پر آتا ہے تو نوازتا ہی چلا جاتا ہے۔ عورت کی عظمت کی انتہا اس وقت ہوئی جب اسے ماں کا مقامِ بلند ملا۔ وہ بلند مقام جس کے سامنے انسانیت تو کیا جنت تک جھکتی چلی گئی۔ مَرد بہت کچھ ہونے کے باوجود اس مقامِ بلند تک نہ پہنچ سکا۔ قرآن کریم میں بارہ مقامات پر اپنی عبادت کے ساتھ ساتھ والدین سے حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا اور والدہ کی تکالیف کا خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ حدیث میں شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ((عُقُوقُ الْاُمَّهَاتِ وَ وَاْدُ الْبَنَاتِ)) فرمایا گیا۔ یعنی ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ گاڑ دینا۔ محسنِ انسانیت ﷺ نے انسان کو ماں کی ہستی کے بارے میں یہ مشورہ دیا :

((اَلْزِمْ رِجْلَيْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ اَقْدَامِهَا))

"اس کے قدموں سے چمٹا رہ۔ جنت اس کے قدموں تلے ہے۔"

حضور پاک ﷺ نے عورت کو نازک آبگینہ کہہ کر اس کی حساس فطرت کی صحیح عکاسی کی۔ فی الواقع اسلام نے عورت کے لئے دنیا کو جنت بنا دیا۔

دراصل طبقۂ اِناث پر اللہ کی جانب سے جو مہربانیاں ہوئی ہیں عورت کو اس کا اندازہ نہیں —— وہ عورت جو دنیا کی نظر میں مکر و فریب کا مجسمہ تھی' گناہ کی پوٹ تھی' انجیل کی زبان میں جسے موت سے کڑوی تعبیر کیا گیا تھا' آدم کو ورغلانے والی تنہا قصوروار ٹھہرائی گئی تھی۔ قرآن نے ﴿ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ ﴾ کہہ کر کہ شیطان نے دونوں کو ورغلایا

ما عورت کو اس ناکردہ گناہ سے نجات دی۔

اسلام نے عورت کو تقدس بخشا' اس کی معصومیت کو مانا اور اس کی شفقت کی مثال دی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے۔ ذرا اندازہ لگائیں اس کی عظمت کا —— مالکِ کائنات سے صرف ایک اور ستر کی نسبت —— ع کوئی حد ہے اس کے عروج کی!

الغرض اسلام نے معاشی' معاشرتی' سماجی' علمی اور روحانی لحاظ سے عورت کو مَردوں کے برابر عزت دے کر شرف و احترام کا وہ مقام عطا کیا جو آج تک اسے کہیں سے نصیب نہ ہوا تھا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب کی عورت کو بہت کچھ حقوق اور آزادی حاصل ہے' پھر بھی وہ عزت اور مرتبے میں اس مقام سے کہیں پیچھے ہے جو اسلامی معاشرے میں عورت کو آج سے چودہ سو سال پہلے مل گیا تھا۔ آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی پاکستانی عورت باقی دنیا کی عورتوں سے کہیں زیادہ پر سکون' کہیں زیادہ باوقار اور باعزت نظر آتی ہے۔ محرومی تو اب بھی نہیں' تاہم اکثر یہ خیال آتا ہے کہ اگر صحیح اسلامی معاشرہ ہوتا تو کس قدر سرشاری ہوتی....!

طالبانِ قرآن کے لئے ایک خوش کن اطلاع

الہدیٰ سیریز کے درج ذیل دروس کتابی شکل میں شائع کئے جاچکے ہیں اور مکتبہ انجمن پر دستیاب ہیں

درس 2 : نیکی کا حقیقی تصور (سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ کی روشنی میں) فی نسخہ ⑥ روپے

درس 3 : حکمت قرآنی کی اساسات (سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع کی روشنی میں) " ⑧ روپے

درس 4 : حظ عظیم (سورۃ حم السجدہ کی آیات کی روشنی میں) " ⑦ "

درس 5 : سورۃ الفاتحہ۔ قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کی اساس کامل " ⑦ "

درس 6 : عقل' فطرت اور ایمان (سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی روشنی میں) " ⑥ "

درس 7 : نورِ فطرت اور نورِ وحی (سورۃ النور کے پانچویں رکوع کی روشنی میں) " ⑥ "

درس 8 : ایمان اور اس کے ثمرات و مضمرات (سورۃ التغابن کی روشنی میں) " ⑧ "

(واضح رہے کہ درس نمبر1 "راہِ نجات" پہلے سے طبع شدہ موجود ہے۔
مزید برآں درس نمبر9 سے 13 تک کے کتابچے زیر طبع ہیں)

"اور یقیناً ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان بنایا ہے' تو ہے کوئی سمجھنے والا (کہ جو سمجھنا چاہے)؟" ۔ (القمر)

"تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں" (صحیح بخاری)

آپ کے لئے لمحۂ فکریہ

① کیا آپ قرآن مجید (صحیح تلفظ کے ساتھ) پڑھ سکتے ہیں؟
② کیا آپ قرآن مجید تلاوت کرتے وقت سمجھتے ہیں کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟
③ کیا آپ دورانِ نماز تلاوتِ قرآن کا مفہوم سمجھ رہے ہوتے ہیں؟
④ کیا آپ نے اپنے اہل خانہ کے لئے قرآن کی تعلیم کا بندوبست کر رکھا ہے؟
⑤ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ قرآن حکیم میں کیا لکھا ہے؟ کس لئے لکھا ہے؟
⑥ کیا آپ قرآن حکیم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟
⑦ کیا آپ قرآن کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی میں تبدیلی محسوس کر رہے ہیں؟
⑧ کیا آپ نے قبر میں منکر نکیر کے سوالات کے جواب کی تیاری کر رکھی ہے؟
⑨ کیا آپ یومِ محشر میں ہونے والے سوالات کے جوابات کے لئے تیار ہیں؟
⑩ کیا آپ جہنم کی آگ سے خود بچنے اور اپنے گھر والوں کو بچانے کا بندوبست کر رہے ہیں؟

اگر نہیں' تو آج ہی

قرآن مجید کو صحیح تلفظ سے پڑھنے' اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کر کے اس پر عمل درآمد کی کوشش شروع کر دیں۔ کیا عجب کہ آپ کا یہ مصمم ارادہ ہی آپ کے لئے نجات کا باعث بن جائے۔

قرآن فہمی کے لئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دروسِ قرآن اور خطابات (کتابچے' آڈیو / ویڈیو کیسٹ اور CD) سے استفادہ کیجئے' جو مکتبہ انجمن خدام القرآن سے مل سکتے ہیں۔ عربی گرامر اور ترجمہ قرآن سیکھنے کے لئے شعبہ خط و کتابت کورس سے رجوع کریں —— مکتبہ اور شعبہ خط و کتابت کورس کا پتہ :

مرکزی انجمن خدام القرآن' K 36 ماڈل ٹاؤن لاہور 54700

عطیہ اشتہار : ایک بندۂ خدا

"مَآ اُهِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ" کا مفہوم

مولانا احتشام الحق تھانویؒ

خطاب خاص برائے مؤمنین مع حکم شکر اور ماکولات میں سے حرام اشیاء کا بیان :

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ○ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○ ﴾ (البقرۃ : ۱۷۲-۱۷۳)

"اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو' اگر تم خالص اس کی عبادت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے مُردار کو اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور اس جانور کو جو بولا گیا ہو غیر اللہ کے لئے۔ پھر جو شخص بے تاب ہو جائے' نہ طالب لذت ہو اور نہ حد سے آگے نکلنے والا ہو تو اس شخص پر (بقدرِ سدِّ رمق کھالینے میں) کوئی گناہ نہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے"۔

مُردہ جانور' خونِ سائل اور خنزیر کے گوشت کے بعد چوتھی چیز جو اس آیت میں ذکر کی گئی وہ ﴿ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ﴾ ہے اور اس کا عطف بلحاظ قرب "لحم الخنزیر" پر ہے۔ ما موصولہ ہے۔ اس سے مراد ہے کوئی حلال جانور۔ اُہِلَّ ماضی مجہول ہے جو اھلال سے بنا ہے اور اھلال ھلال سے ماخوذ ہے۔ ھلال لغوی طور پر آغاز ماہ کی پہلی اور دوسری شب کے چاند کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد اس کو ہلال نہیں کہتے بلکہ قمر کہا جاتا ہے۔ اھل الھلال کے معنی ہیں چاند ہو گیا اور استھلال کے معنی چاند دیکھنے کے ہیں۔ پھر اھلال بھی چاند دیکھنے کے معنی میں آنے لگا جیسے اجابۃ اور استجابۃ دونوں کے معنی جواب دینے اور قبول کر لینے کے آتے ہیں۔ اس کے بعد عرف میں اھلال کے معنی چاند دیکھتے وقت آواز نکالنے اور بولنے کے آنے لگے۔ پھر اس میں اور وسعت پیدا ہو گئی اور مطلقاً آواز نکالنے کے معنی میں لفظ اھلال کا استعمال ہونے لگا۔ استھلال اس رونے اور آواز

نکالنے کو بھی کہا جاتا ہے جو پیدائش کے وقت بچہ روتا اور آواز نکالتا ہے۔ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لغتِ عرب کے مشہور اور ماہر عالم اصمعی کا قول نقل کیا ہے کہ اھلال کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں۔ پس ہر آواز بلند کرنے والے کو مُھِل کہا جاتا ہے۔

اصطلاحِ فقہ میں اھلال کے معنی حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بھی اسی مناسبت سے آتے ہیں کہ احرام باندھ کر بآوازِ بلند تلبیہ پڑھا جاتا ہے۔ پس اھلال کے معنی ذبح کے نہ لغت میں آتے ہیں اور نہ عرف اور اصطلاح میں۔ لہٰذا جن مفسرین نے ﴿ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ کی تفسیر "ماذُبِحَ علیٰ اسمِ غیرِ اللّٰه" (یعنی وہ جانور جو غیراللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور ذبح کرتے وقت غیراللہ کا نام لیا گیا ہو) سے بیان کی ہے' وہ در حقیقت لغوی یا اصطلاحی معنی کا بیان نہیں ہے بلکہ مشرکینِ عرب کے رواج اور طریقہ کا بیان ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ کے بعد لکھا ہے :اَیْ ذُبِحَ علی اسمِ غیرِہٖ والاھلالُ رفعُ الصَّوتِ وکانوا یرفعونہٗ عندالذبح لاٰلھتھم "یعنی غیراللہ کے نام پر ذبح کرنا اور اھلال کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں اور وہ (مشرکین غیراللہ کے نام کے ساتھ) اپنے معبودوں کے لئے ذبح کرتے وقت آواز کو بلند کیا کرتے تھے"۔

اسی طرح امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اور زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھا ہے : لان العرب کانوا یُسمون الاوثان عند الذبح ویرفعون اصواتھم بذکرھا "کیونکہ مشرکین عرب ذبح کے وقت بتوں کا نام لیا کرتے تھے اور ان کے ذکر کے ساتھ اپنی آوازیں بلند کیا کرتے تھے"۔

یہ بحث چونکہ بہت اہم ہے' جس میں بعض لوگوں کو غلط فہمی بھی ہوئی ہے اور بہت سے لوگ ناواقفیت کی وجہ سے سخت قسم کے گناہ میں مبتلا ہیں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس مسئلہ کو ذرا تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "فتح العزیز" میں اس موقع پر بڑی تفصیل کے ساتھ محققانہ بحث کی ہے۔ شاہ صاحب کی اصل تفسیر فارسی میں ہے' اس لئے سطورِ ذیل میں اس کا خلاصہ' جو تقریباً ترجمہ ہوگا' پیش کیا جاتا ہے : ﴿ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ ﴾ یعنی وہ جانور جس کے حق میں آواز نکالی گئی اور شہرت دی گئی کہ ﴿ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ یعنی غیرِخدا کے لئے ہے' خواہ وہ غیر بُت ہو یا کوئی خبیث روح کہ بھوک کے طریقہ سے اس کے نام پر

دیں' خواہ کوئی جن جو گھر یا کسی سرائے پر مسلط ہو گیا ہو اور کوئی جانور (کی بھینٹ) دیئے بغیر وہاں کے رہنے والوں کی ایذاء رسانی سے باز نہ آتا ہو یا توپ کو روانہ کرنے نہ دیتا ہو' خواہ کسی پیر یا پیغمبر کو اس طریقہ پر زندہ جانور مقرر کر کے دے دیں' کیونکہ یہ سب حرام ہیں اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ((ملعونٌ مَن ذبَح لغیر اللّٰہ)) یعنی "جو شخص غیر خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے"۔ خواہ ذبح کے وقت خدا کا نام لے یا نہ لے۔ اس لئے کہ اس شخص نے جب یہ شہرت دے دی کہ یہ جانور فلاں کے لئے ہے تو ذبح کے وقت خدا کا نام لینا کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ وہ جانور اس غیر اللہ کی طرف منسوب ہو گیا اور اس میں ایسا خبث پیدا ہو گیا جو مُردار کے خبث سے زیادہ ہے۔ اس واسطے کہ مُردار نے خدا کے نام کے بغیر جان دی ہے جبکہ اس جانور کی جان کو اس غیر اللہ کی قرار دے دیا اور یہ عین شرک ہے اور جب اس جانور میں خبث سرایت کر گیا تو پھر خدا کا نام ذکر کرنے سے حلال نہیں ہو گا۔ کتے اور خنزیر کی طرح کہ اگر خدا کے نام کے ساتھ بھی ذبح کئے جائیں تب بھی حلال نہیں ہوتے۔

اس مسئلہ کی کنہ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ جان کی نیاز دینا جان آفریں کے سوا کسی کے لئے درست نہیں ہے (اور ماکولات و مشروبات اور دوسرے اموال کی نیاز بھی غیر اللہ کے لئے درست نہیں ہے۔ البتہ صدقہ خیرات یا کوئی نیک عمل جو اللہ کے لئے کیا جائے' اس کا ثواب کسی دوسرے شخص کو پہنچانا جائز ہے۔ جیسے اپنا مملوکہ مال کسی بھی شخص کو دے دینا جائز ہے) آگے چل کر شاہ صاحب فرماتے ہیں : انسان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو بخش دے' جیسے یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنا مال غیر کو دے دے اور جانور کی جان' مملوک نہیں کہ اسے کسی کو بخش سکے۔ نیز یہ کہ مال کسی کو دینا اس لئے موجبِ ثواب ہے کہ آدمی اس سے منتفع ہوتے ہیں اور اس دنیا سے جانے کے بعد مُردے چونکہ مال سے انتفاع کے قابل نہیں رہتے ہیں لہٰذا ان کو نفع پہنچانے کا طریقہ شریعت میں یہ قرار پایا کہ ان اموال کا ثواب جو مستحقوں پر خرچ کئے جائیں وہ ان کو پہنچا دیں۔ لیکن جانوروں کی جان تو زندگی میں بھی آدمی کے انتفاع کے قابل نہیں تھی تو مرنے کے بعد اس کے کیا کام آ سکے گی؟ البتہ فوت شدہ شخص کی طرف سے اضحیہ یعنی قربانی کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ لیکن اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے نام پر جانور کی جان کی

قربانی دینے کا جو اجر و ثواب ہے وہ کسی فوت شدہ شخص کو بخشا جائے' نہ یہ کہ جانور کسی مردے کے لئے ذبح کیا جائے۔ بعض جاہل مسلمان اس بارے میں کج روی و کج فہمی سے یہ کہتے ہیں کہ گوشت پکا کر مُردہ کے نام سے دینا بلاشبہ جائز ہے اور ہمارا مقصد بھی کسی مردے کے نام سے جانور ذبح کرنے کا اسی قدر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایک ہی نکتہ کافی ہے۔ ان سے کہا جائے کہ تم غیراللہ کے نام پر جانور ذبح کرنے کی نذر کرتے ہو (جیسے شیخ سدو کے نام کا یا گیارھویں کا بکرا یا رجب کے کونڈے وغیرہ) اگر اس جانور (وغیرہ) کے بدلے اسی مقدار میں گوشت خرید کر اور پکا کر فقیروں کو کھلاؤ تو تمہارے ذہن میں وہ صدقہ کر کے (ثواب رسانی کی) نذر ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر ادا ہو جاتی ہے تو تمہارا یہ کہنا درست ہے کہ تمہارا مقصد جانور کو ذبح کرنے سے کسی شخص کو ثواب پہنچانے کے لئے گوشت کھلانے کے علاوہ کچھ نہیں تھا اور اگر جانور کی قربانی دینے سے ہی تمہاری وہ نذر و نیاز ادا ہوتی ہے تو اس سے کھلا شرک لازم آتا ہے۔

پھر یہ کہ آیت کا جملہ ﴿ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ یا ﴿ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ چار جگہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ اس میں ذرا غور کرنا چاہئے کہ ﴿ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ یا ﴿ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ فرمایا گیا ہے "ماذُبِحَ بِاسْمِ غَيرِ اللّٰهِ" (جو غیراللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو) نہیں فرمایا گیا۔ پس یہ لفظ یا آواز نکال دینے اور یہ شہرت کر دینے کے بعد' کہ یہ گائے فلاں کے نام کی ہے اور یہ بکری یا بکرا فلاں کے نام کا ہے' اللہ کے نام کے ساتھ اس کو ذبح کرنا کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا اور اس جانور کا گوشت حلال نہیں ہو گا (کیونکہ غیراللہ کے لئے نامزد ہو جانے کی وجہ سے اس پورے جانور میں شرک کا خبث اور پلیدی پیدا ہو چکی ہے) اس کے علاوہ یہ کہ اُهِلَّ کو ذُبِحَ کے معنی پر محمول کرنا لغت اور عرف دونوں کے قطعاً خلاف ہے۔ نہ عربی زبان کی کسی لغت میں اِہلال کے معنی ذبح کرنے کے آئے ہیں نہ اُس وقت اور اُن دیار کے عرف میں اِہلال کے معنی ذبح کے کبھی رہے ہیں اور نہ کسی شعر یا کسی عربی عبارت میں لفظ اہلال ذبح کے معنی میں آیا ہے۔ بلکہ اہلال کے معنی لغت عرب میں آواز بلند کرنے اور شہرت دینے کے ہیں۔ چنانچہ اہلال چاند دیکھنے کے معنی میں آتا ہے کیونکہ چاند دیکھتے وقت ایک دوسرے کو چاند کی نشاندہی کرنے اور بتانے کے لئے آواز بلند کی جاتی ہے۔ اہلال بچہ کے ولادت کے وقت رونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اس لئے کہ پیدائش کے وقت بچہ روتا اور چلاتا ہے۔ اسی طرح اہلال احرام باندھنے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ احرام باندھ کر بلند آواز سے تلبیہ پڑھا جاتا ہے۔ بہرحال اہلال کے معنی ذبح کے نہیں آتے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص "اَهْلَلْتُ لِلّٰه" کہے تو اس کے معنی "ذَبحتُ لِلّٰهِ" ہرگز نہیں سمجھے جائیں گے۔ نیز یہ کہ اُهِلَّ کو بالفرض اگر ذُبِحَ کے معنی میں لیا جائے تو ﴿ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ کے معنی "مَاذُبِحَ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" (وہ چیز جو غیر اللہ کے لئے ذبح کی جائے) مُراد ہوں گے۔ "مَاذُبِحَ بِاسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ" کے معنی اس کے کیسے ہو جائیں گے کہ ان حضرات کا مدعا حاصل ہو سکے؟ لہٰذا اس جملہ میں اُهِلَّ کو ذُبِحَ کے معنی میں لینا اور پھر ﴿ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ کو "بِاسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ" کے معنی میں لینا' حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کلامِ الٰہی میں تحریف کے قریب قریب ہے۔ تفسیر نیشاپوری کے حوالے سے شاہ صاحب نے لکھا ہے: اجمع العلماء لو ان مسلمًا ذبَح ذبيحته و قصَد بذبحها التقرب الى غير اللّٰه صار مرتدًا و ذبيحته ذبيحة مرتدٍ "علماء کا اجماع ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے تقرب کے ارادہ سے کوئی جانور ذبح کرے تو مرتد ہو جائے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا"۔

بہرحال یہ مسئلہ نہایت اہم اور قابل توجہ ہے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غیر اللہ کے لئے ذبح کرنے اور غیر اللہ کے ایصالِ ثواب کے لئے ذبح کرنے کا واضح طریقہ پر فرق بیان فرمایا ہے۔ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا قریب بہ شرک ہے۔ خواہ وہ جانور کسی ولی اور پیر کے نام پر بولا اور ذبح کیا جائے یا کسی نبی اور رسول کے نام پر اور خواہ ایسے کو اللہ کا نام لے کر اور تسمیہ پڑھ کر ہی ذبح کیا جائے' کیونکہ جانور کی جان کو جان آفریں کے علاوہ غیر اللہ کی نذر کیا گیا تو یہ اللہ کے ساتھ شرک قرار پاتا ہے اور یہ رسم شرک چونکہ جانور کی جان کے ساتھ ادا کی گئی لہٰذا اس کی روح اور جسم سب میں شرک کا خبث و پلیدی سرایت کر گئی اور نجس العین سے بھی بڑھ کر وہ جانور نجس العین ہو گیا اور نجس العین کو تسمیہ پڑھ کر ذبح کرنا بھی پاک اور حلال نہیں کرتا۔ البتہ یہ نجس العین چونکہ خلقتًا نجس العین نہیں تھا بلکہ بندہ کے عمل کی وجہ سے اس میں خبث و ناپاکی پیدا ہوتی ہے اس لئے اگر بندہ اپنے عمل اور اس نیت سے جانور کو ذبح کرنے سے قبل توبہ کر لے تو یہ نجاست زائل ہو جاتی ہے اور پھر تسمیہ کے ساتھ ذبح کرنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور ایصالِ ثواب اگر کسی بزرگ

کو مقصود ہو تو جانور کی جان اللہ کے لئے اور اس کے تقرب کے جذبہ سے نکالی جاتی ہے اور پھر گوشت وغیرہ بھی اُسی (اللہ) کے نام پر صدقہ کیا جاتا ہے۔ اس عمل خیر پر جو اجر د ثواب قربانی کرنے والے اور عمل خیر کرنے والے کو ربّ العزت کی طرف سے عطا ہوتا ہے اس کو کسی دوسرے کو بخشا ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں کسی قباحت کی آمیزش تک نہیں، بلکہ یہ امر نہایت مستحسن ہے۔

فرمانِ نبویؐ ہے: "دین خیر خواہی کا نام ہے!"

دوسروں کی غلطیوں کی اصلاح اسی "خیر خواہی" کا حصہ ہے جو ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس کا فریضہ "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" سے گہرا تعلق ہے۔ لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کیلئے رسول اللہ ﷺ کا طریق کار اور آپؐ کے اختیار کردہ اسالیب انتہائی اہمیت کے حامل ہیں ــــ اس موضوع پر علامہ محمد صالح المنجد کی تالیف

غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار

اردو ترجمہ : مولانا عطاء اللہ ساجد

میثاق میں بالاقساط شائع ہونے کے بعد اب خوبصورت گیٹ اپ اور عمدہ طباعت کے ساتھ کتابی شکل میں دستیاب ہے۔ صفحات : ۱۴۴، قیمت : ۵۴ روپے

شائع کردہ : نور اسلام اکیڈمی

پوسٹ بکس 5166 ماڈل ٹاؤن لاہور فون : 5884789

نور اسلام اکیڈمی کی مطبوعات مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے ذریعے بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ رائے

مسجد دارالسلام باغ جناح کے خطابات جمعہ کے پریس ریلیز

(۱)

غوری ۲ اور شاہین میزائلوں کے تجربات قومی حمیت کا ناگزیر تقاضا تھے

سود سے پاک معاشی نظام کی جانب فی الفور پیش رفت کی جائے

۱۶۔اپریل= بھارت کے اگنی II میزائل کے تجربے کا بھرپور جواب دینا قومی حمیت کا ناگزیر تقاضا تھا جسے غوری II اور شاہین میزائلوں کے کامیاب تجربات سے نہلے پر دہلا مارنے کے انداز میں پورا کر دیا گیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں اپنے خطاب جمعہ میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کے جارحانہ طرزِ عمل کا احسان مند ہونا چاہئے جس کی وجہ سے پاکستان کو ایٹمی دھماکوں اور میزائلوں کے کامیاب تجربات کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ملک کے دفاعی استحکام ہی کی طرح نظریاتی تشخص کا تحفظ بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے، مگر نصف صدی کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود قیام پاکستان کا اصل مقصد ہنوز شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے نفاذ ہی سے ملک کو اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ بنایا اور بھارت کو مدافعانہ طرزِ عمل پر مجبور کیا جا سکتا ہے، مگر ملک کے حکمرانوں نے ہمیشہ نفاذ اسلام کے عملی تقاضے پورا کرنے سے دانستہ گریز کیا۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ صوبہ پرستی کی لعنت کا خاتمہ بھی اسلام کی جانب حقیقی پیش رفت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ صوبوں کی درمیانی لکیر کو وحی آسمانی کی طرح مقدس سمجھنے کی بجائے ضروری ہے کہ موجودہ صوبوں کی بجائے چھوٹے صوبے تشکیل دے کر انہیں زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے جائیں تاکہ چھوٹے صوبوں کے احساس محرومی کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا جا سکے۔

انہوں نے کہا کہ سودی نظام کے خاتمے کے ضمن میں حکومت کے تاخیری حربے نہایت قابل مذمت اور منافقانہ طرزِ عمل کے غماز ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل اور راجہ ظفر الحق کمیشن کی سفارشات کی روشنی میں سودی نظام ختم کر کے سود سے پاک معاشی نظام کی جانب پیش رفت کا فی الفور آغاز کیا جانا چاہئے، تاکہ اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ سود کا متبادل نظام فراہم کرنا وفاقی شرعی عدالت یا شریعت اپیلیٹ بینچ کی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ وفاقی حکومت کی

آئینی ذمہ داری ہے' مگر موجودہ حکومت اس اہم ذمہ داری کو ادا کرنے کی بجائے انعامی سکیموں کی آڑ میں سود کے ساتھ جوئے کو فروغ دینے میں مصروف ہے۔ انہوں نے کہا کہ بینکوں اور تجارتی کمپنیوں کی طرف سے متعارف کرائی جانے والی اکثر انعامی سکیمیں جوئے کی مختلف شکلیں ہیں جو در حقیقت شیطانی دھندہ ہے' جس سے مسلمانوں کو بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پرائز بانڈ کی لعنت کو برقرار رکھنا مگر پرائز بانڈز کی پرچیوں کی فروخت پر پابندی عائد کرنا در حقیقت "گڑ کھانا اور گلگلوں سے پرہیز" کے مترادف ہے۔

بے نظیر بھٹو کے بارے میں لاہور ہائی کورٹ کے احتساب بینچ کے فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ بڑے لوگوں کا احتساب خوش آئند روایت کا آغاز ہے۔ لیکن بد قسمتی سے احتساب کا موجودہ عمل چونکہ یک طرفہ ہے لہٰذا بے نظیر بھٹو کے عدالتی پھندے میں پھنس جانے سے چھوٹے صوبوں میں احساس محرومی مزید بڑھ جائے گا۔

(۲)

سابقہ حکمرانوں کا احتساب خوش آئند ہے' مگر یہ معاملہ یکطرفہ نہیں ہونا چاہئے

وزیر اعظم کا دورۂ روس خطے میں پائیدار امن کے قیام کے لئے اہمیت کا حامل ہے

۲۳/اپریل = اپوزیشن لیڈر بے نظیر بھٹو اور انکے شوہر مسٹر آصف زرداری کی اعلیٰ عدالت کی جانب سے نااہلی اور سزا کا فیصلہ اگرچہ ایک لحاظ سے خوش آئند ہے مگر اس معاملہ کا یکطرفہ ہونا اور چیف احتساب کمشنر کو غیر مؤثر بنا کر ایک متنازعہ شخصیت کو احتساب کمیشن کا چیئرمین بنا دینا احتساب کے عمل کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے جامع مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں اپنے خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ احتساب کا یہ عمل دو طرفہ ہونا چاہئے اور حکومت یا اپوزیشن کی تفریق سے بالاتر ہو کر دونوں طرف کے قصوروار افراد پر مقدمات قائم ہونے چاہئیں' بصورت دیگر پیپلز پارٹی کے کارکنوں کا اشتعال اور احتجاج شدت اختیار کر کے سندھی اور پنجابی مسئلے کے دوبارہ سر اٹھانے کا موجب بن سکتا ہے' جو بظاہر دبا ہوا نظر آتا ہے لیکن "آگ بجھی ہوئی نہ جان' آگ دبی ہوئی سمجھ" کے مصداق پیپلز پارٹی کی کال پر اندرون سندھ ہونے والے احتجاجی مظاہروں اور ہڑتالوں سے اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کے ۲۶/مارچ ۹۹ء کے خطابِ جمعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اسلام میں پاور پالیٹکس کا مروجہ معنوں میں کوئی تصور موجود نہیں' البتہ تمام انبیاء کرام کی دینی جدوجہد میں دین کے قیام کے لئے پاور سٹرگل ضرور مضمر رہی ہے' کیونکہ دین کے قیام کے لئے قوت واقتدار کی ضرورت ہوتی ہے' لیکن قرآن کی رو سے کسی نبی یا رسول

نے کہیں یہ مطالبہ نہیں کیا کہ اس مقصد کے لئے اقتدار اس کے حوالے کیا جائے۔ جہاں تک حضرت یوسف علیہ السلام کا بادشاہ مصر سے ایک خاص عہدہ طلب کرنے کا معاملہ ہے وہ اس خوفناک قحط سالی کے باعث تھا جو ایک بڑی آفت کی صورت میں ایک طویل عرصے تک پورے علاقے پر مسلط ہونے والی تھی' چنانچہ حضرت یوسف کی حیثیت مصر میں ایک اہم سرکاری عہدیدار کی تھی' بادشاہ کی ہرگز نہیں تھی بلکہ حضرت یوسف کے دور میں بھی وہاں بادشاہ کے رائج کردہ قوانین نافذ رہے۔ لہٰذا اقامت دین کے لئے موجودہ معروف طریقہ ہائے تبدیلیِ اقتدار کے بجائے منہاج محمدیؐ کے مطابق جدوجہد کرنا ہی کامیابی کا ضامن ہے۔

وزیراعظم نواز شریف کے حالیہ دورۂ روس کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ دورہ "دیر آید درست آید" کی کہاوت کے مطابق پاک روس تعلقات میں نئے دروازے کھولنے کا موجب ہو گا جو نہ صرف پاکستان اور روس کے حق میں بلکہ اس خطے میں پائیدار امن کے قیام کے لئے اہمیت کا حامل ہے۔ اسی طرح مسئلہ کشمیر میں روس کی طرف سے ثالثی کی پیشکش کرنا خوش آئند ہے اور امید کی جاسکتی ہے کہ اب ان شاء اللہ اس تنازعہ کے حل کی بھی کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکل آئے گی۔

بقیہ : استعفاء (عرضِ احوال)

ضمن میں تحریک جعفریہ کے نمائندگان مطمئن نہیں تھے' تاہم انہوں نے تجویز پیش کی کہ ہمیں مہلت دی جائے کہ ہم ان مسودات پر اپنے اہل الرائے حضرات سے مشورہ کر لیں اور وعدہ کیا کہ وہ خود اس کی مخالفت نہیں کریں گے ـــــ چنانچہ طے کر لیا گیا کہ آئندہ اجلاس یکم مئی کو لاہور ہی میں ہو گا جس میں حتمی فیصلہ کر لیا جائے گا جس کے بعد دعائے خیر پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

اس کے بعد اولاً تو ایک اخباری رپورٹر نے ۱۸سال قبل کے ایک واقعے کی یاد تازہ کر کے فضا کو مکدر کر دیا۔ (اس ضمن میں وضاحتی بیان کی نقل منسلک کر رہا ہوں)

پھر علامہ سید ساجد علی نقوی کے بیانات اخبارات میں نمایاں طور پر شائع ہو گئے کہ اس کمیٹی کو توڑ دیا جائے۔

اور کل کے اخبارات میں جماعت اہل سنت کی جانب سے بھی یہی مطالبہ آ گیا ـــــ اور جس اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا اس میں دو معزز اراکین کمیٹی بھی شامل تھے یعنی صاحبزادہ فضل کریم صاحب' وزیر اوقاف پنجاب اور ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی صاحب۔

مزید برآں ڈاکٹر نعیمی صاحب کا ایک علیحدہ بیان بھی شائع ہوا جس میں کہا گیا کہ ڈاکٹر

اسرار کی شخصیت کے متنازعہ ہونے کے باعث کمیٹی کی حیثیت مشکوک ہو گئی ہے۔

آج کے اخبارات میں نہ صرف یہ کہ متذکرہ بالا بیانات میں سے کسی کی تردید شائع نہیں ہوئی' بلکہ علامہ ساجد نقوی صاحب کا یہ بے بنیاد الزام شائع ہوا ہے کہ میں نے مجوزہ قوانین کے مسودے اخبارات کے نمائندوں کو تقسیم کر کے معاہدے کی خلاف ورزی کی' حالانکہ میں نے یہ مسودے کسی کو نہیں دیئے!

ان حالات میں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کمیٹی کے اعلیٰ مقاصد کے پیش نظر میں اس کی چیئرمین شپ سے مستعفی ہو جاؤں۔ تاکہ میری ذات ان مقاصد کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے! بنابریں میں کمیٹی کی سربراہی سے بھی مستعفی ہوتا ہوں اور چونکہ میری اس علماء کمیٹی میں شرکت صرف اسی حیثیت میں تھی' ورنہ میرا شمار معروف معنی میں علماء میں نہیں ہوتا' لہٰذا میں اس کمیٹی کی بنیادی رکنیت سے بھی مستعفی ہوتا ہوں۔

البتہ میرا مشورہ یہ ہے کہ :

(۱) اس کمیٹی کو قائم رکھا جائے۔ اور اس نے جو کام شروع کیا ہے اسے حتی الامکان تکمیل تک پہنچایا جائے'

(۲) اس کی سربراہی ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی صاحب کے حوالے کر دی جائے' اور

(۳) اس کمیٹی میں سپاہِ محمدؐ پاکستان کے دو نمائندوں کو بھی شامل کیا جائے۔ (ان کی جانب سے موصول شدہ خط کی نقل بھی منسلک ہے!) میں نے ان کا مسئلہ کمیٹی کے سامنے بھی رکھا تھا۔ چنانچہ تحریک جعفریہ کے نمائندوں کو تو ان کی شمولیت پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ البتہ باقی بہت سے حضرات کا کہنا تھا کہ اس صورت میں لشکر جھنگوی کے نمائندوں کو بھی شریک کرنا ہوگا۔ لیکن مجھے اس رائے سے اختلاف ہے۔ اس لئے کہ لشکر جھنگوی کی کل تنظیم زیر زمین ہے' جبکہ سپاہ محمدؐ کی تنظیم بر سر عام موجود ہے۔

فقط والسلام مع الاکرام

ڈاکٹر اسرار احمد

ہمارا مطالبہ ہماری اپیل

دستور خلافت کی تکمیل

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

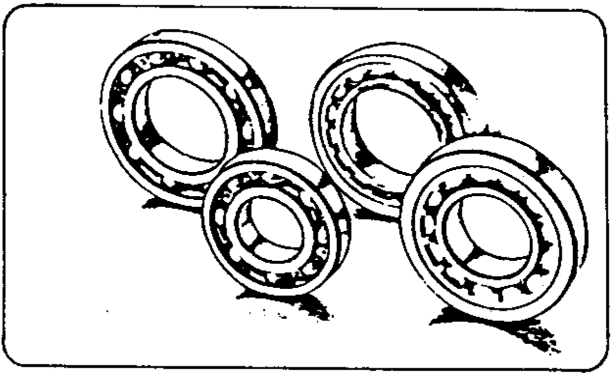

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly)	Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169
GUJRANWALA :	1-Haider Shopping Centre, Circular Road. Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 48 No. 5
May 1999

صوفی سن فلاور کوکنگ آئل
سورج مکھی کے اعلیٰ بیجوں سے تیار کردہ

SUFI

صُوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
حمزہ ویجیٹیبل آئل ریفائنری اینڈ گھی ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

Head Office: 39-Fleming Road, Lahore, Pakistan.
Tel: 7225447-7221068-7244951-3
Fax: 92-42-7239909 & 92-42-7311583